فقہی مزاج وشوق رکھنے والوں کے لیے عمدہ تحریر
فتویٰ نویسی
کا
تعارفی جائزہ
مصنف:
مفتی ابوالحسن فضیل رضا قادری عطاری
اس کتاب میں آپ پڑھ سکیں گے
(1) مفتی کے چند ضروری اوصاف۔
(2) فتویٰ نویسی کی مشق میں اغلاط سے بچنے کا طریقہ کار۔
(3) فتویٰ دینے میں بزرگوں کی احتیاط۔
(4) فکر میں شریعت کی رعایت واجب ہے۔
(5) فقہی مہارت کے تین اصول۔
مکتبہ حسان

فقہی مزاج وشوق رکھنے والوں کے لیے عمدہ تحریر
فتوی نویسی
کا
تعارفی جائزہ
مصنف:
مفتی ابو الحسن فضیل رضا قادری عطاری مد ظلہ العالی
مکتبہ حسان (کراچی)

**نام کتاب:** فتویٰ نویسی کا تعارفی جائزہ

**مصنف:** مفتی ابو الحسن فضیل رضا قادری عطاری مد ظلہ العالی

**صفحات:** 108

**سن اشاعت:** 2018

**قیمت:**

**باہتمام:** محمد عادل عطاری

**ناشر:** مکتبۂ حسان، عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ پرانی سبزی منڈی کراچی

**رابطہ نمبر:** 0331-2476512

# فہرست

| صفحہ نمبر | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|

از قلم: مفتی ابو صالح محمد قاسم عطاری۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمِ دین کی عظمت و فضائل ہر دین دار مسلمان بخوبی جانتا ہے اور علومِ دینیہ میں علمِ فقہ افضل ہے کہ لوگوں کی زندگی کے جملہ معاملات میں اس سے رہنمائی ملتی ہے۔ دین و دنیا میں اِس کے فضائل و فوائد کے پیشِ نظر علمِ دین کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد اِس کی طرف راغب ہوتی ہے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ محض رغبت کسی شے کے حصول کے لئے کافی نہیں ہوتی بلکہ دیگر بہت سے لوازم و شرائط پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ عقل و نقل کا مسلمہ اصول ہے "انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے" کوشش کرنا اور وہ بھی ڈھنگ سے کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ مطلوبہ نتیجہ ہاتھ نہیں آتا۔ علمِ فقہ و فتوی سیکھنے والے چند غلطیاں کرتے ہیں جس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ عموماً قابل مفتی نہیں بن پاتے۔ اس حوالے سے علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "تَعْلِيْمُ الْمُتَعَلِّم" کے چند مقامات سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ معروضات پیش کرتا ہوں:

## علوِ ہمت اور عزمِ مصمم

طالبِ علم کو تحصیلِ علم کے لئے پختہ اور مضبوط ارادوں کی بہت سخت ضرورت ہوتی ہے کہ جس طرح ایک چڑیا اپنے پروں کی مدد سے ہی فضا میں اڑ سکتی ہے بالکل اسی طرح ایک انسان کو بلند پرواز کے لئے بلند ہمتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ مَعَالِی الْاُمُوْرِ وَیَکْرَہُ سَفْسَافَھَا'' یعنی: اللہ عَزَّوَجَلَّ بلند پایہ، بلند ہمت کاموں کو پسند کرتا ہے اور حقیر وردی کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔[1]

ابوطیب شاعر کہتا ہے:

عَلٰی قَدْرِاَھْلِ الْعَزْمِ تَأْتِی الْعَزَائِمُ

وَتَأْتِی عَلٰی قَدْرِالْکِرَام الْمَکَارِمُ

وَتَعْظُمُ فِیْ عَیْنِ الصَّغِیْرِ صِغَارُھَا

وَتَصْغُرُفِیْ عَیْنِ الْعَظِیْم الْعَظَائِمُ

ترجمہ:(1)ہر بندہ اپنے ارادے کے مطابق ہی بڑے بڑے امور تک پہنچتا ہے جس میں جتنی بزرگی ہو گی وہ اسی قدر بلند مرتبہ کو پہنچے گا۔

(2)چھوٹے چھوٹے کم ہمت افراد کو چھوٹے چھوٹے کام بھی بہت بڑے معلوم ہوتے ہیں اور باہمت افراد کی نظر میں بڑے سے بڑا کام کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

## مستقل مزاجی اور ثابت قدمی

ثابت قدمی، مقاصدِ عالیہ کے حصول میں ایک بنیادی عنصر ہے اور اس کی کمی، ناکامی سے دوچار کرتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا کہ:

لِکُلِّ اِلٰی شَأْوِالْعُلَا حَرَکَاتٌ

وَلٰکِنْ عَزِیْزٌفِی الرِّجَالِ ثَبَاتٌ

---

[1] المعجم الاوسط، جلد۲، صفحہ۱۷۹، حدیث نمبر۲۹٤۰

ترجمہ: بلندیوں تک پہنچنے کی خواہش میں تو ہر انسان کچھ نہ کچھ کوشش کرلیتا ہے لیکن لوگوں میں (ان کوششوں میں) ثابت قدمی بہت نادر ونایاب ہے۔

مشہور مقولہ ہے کہ "مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَّجَدَّ وَجَدَ وَمَنْ قَرَعَ الْبَابَ وَلَجَّ وَلَجَ "یعنی: جو کسی چیز کی طلب کرے اور اس میں محنت بھی کرے تو وہ اسے پالیتا ہے اور جو کسی دروازے کو کھٹکھٹائے اور مسلسل کھٹکھٹاتا ہی چلا جائے تو ایک دن وہ اس کے اندر ضرور داخل ہو جائے گا۔

کسی نے کہا ہے کہ "خَزَائِنُ الْمِنَنِ عَلٰى قَنَاطِرِ الْمِحَنِ "یعنی: بخشش اور احسانوں کے خزانے آزمائشوں کے پل سے گزر کر ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

ایک شاعر نے کہا ہے:

اَلَا لَاتَنَالُ الْعِلْمَ اِلَّا بِسِتَّةٍ
سَأُنْبِيْكَ عَنْ مَّجْمُوْعِهَا بِبَيَانٍ

ذَكَاءٌ وَّ حِرْصٌ وَّ اصْطِبَارٌ وَّ بُلْغَةٌ
وَ اِرْشَادُ اُسْتَاذٍ وَّطُوْلُ زَمَانٍ

ترجمہ: (1) جان لو تم علم حاصل نہیں کرسکتے مگر چھ چیزوں کے ساتھ میں تمہیں ان تمام کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں۔

(2) وہ چھ چیزیں یہ ہیں: ذکاوت، علم کی حرص، صبر، قدرِ کفایت مال، استاد کی رہنمائی اور ایک طویل زمانہ۔

## بھرپور کوشش اور مسلسل محنت

طالبِ علم کے لئے سخت محنت اوراس پر پابندی کرنا بہت ضروری ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا(1)

ترجمہ:اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

اِمام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے لکھے ہوئے یہ اشعار بہت سبق آموز ہیں:

اَلْجِدُّ یُدْنِیْ کُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ
وَالْجِدُّ یَفْتَحُ کُلَّ بَابٍ مُّغْلَقٍ

ترجمہ:جد وجہد ہر اُس چیز کو قریب کر دیتی ہے جس کا حصول بہت بعید لگتا ہے اور محنت وکوشش ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

بِقَدْرِ الْکَدِّ تَکْتَسِبُ الْمَعَالِی
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلَا سَهِرَ اللَّیَالِی

تَرُوْمُ الْعِزَّثُمَّ تَنَامُ لَیْلًا
یَغُوْصُ الْبَحْرَمَنْ طَلَبَ اللآلِی

---

(1) ---- پ۲۱،سورۃ العنکبوت:۶۹

عُلُوُّ الْکَعْبِ بِالْهِمَمِ الْعَوَالِی
وَ عِزُّ الْمَرْءِ فِیْ سَهَرِ اللَّیَالِی

وَمَنْ رَّامَ الْعُلَا مِنْ غَیْرِ کَدٍّ
اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمَحَالِ

ترجمہ:(1)تم اپنی محنت ولگن کے اعتبار سے ترقی پاؤ گے جو بلندیوں کو چھونا چاہتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے۔

(2)تو عزت کا طلبگار ہے اور پھر رات کو سو بھی جاتا ہے ارے غافل موتی حاصل کرنے کے لئے پہلے سمندر میں غوطے لگانے پڑتے ہیں۔

(3)رفعت وبرتری کے لئے مضبوط ارادوں کی ضرورت ہے اور بندے کو عزت کا مقام حاصل کرنے کے لئے اپنی راتوں کو بے خواب بنانا پڑتا ہے۔

(4)جو بغیر محنت ومشقت کے بلندیوں کو چھونا چاہتا ہے ایسا شخص اپنی عمر کو ایک محال کام کے لئے ضائع کر رہا ہے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ "اِتَّخِذِاللَّیلَ جَمَلًا تُدْرِکْ بِهٖ اَمَلًا" یعنی: ساری ساری رات کام میں مصروف رہا کرو مقصود کو جلد پالو گے۔

## سستی وکاہلی سے بچنا نہایت ضروری ہے

ایک اور شاعر کہتا ہے:

تَمَنَّیْتَ اَنْ تُمْسِی فَقِیْهًا مُّنَاظِرًا
بِغَیْرِ عَنَاءٍ وَّالْجُنُوْنُ فُنُوْنُ

وَلَيْسَ اكْتِسَابُ الْمَالِ دُوْنَ مَشَقَّةٍ
تُحَمِّلُهَا فَالْعِلْمُ كَيْفَ يَكُوْنُ

ترجمہ:(1)اگر تو بغیر محنت و مشقت سے فقیہ اور مناظر بننا چاہتا ہے تو پھر یہ تیرا پاگل پن ہے اور پاگل پن کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔

(2)جب مالِ دنیا مشقت اٹھائے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو علم (جیسی عظیم دولت) بغیر محنت کے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

انسان کو عظمت و رفعت اپنی ذاتی محنت سے ملتی ہے، دوسروں کی محنت سے نہیں اور محنت کر کے غلام، آقا بن جاتے ہیں جبکہ سستی و کاہلی سے آقا زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شاعر طیب کہتا ہے کہ:

وَلَمْ اَرَفِيْ عُيُوْبِ النَّاسِ عَيْبًا
كَنَقْصِ الْقَادِرِيْنَ عَلَى التَّمَام

ترجمہ: میں نے لوگوں کے عیوب میں اس جیسا کوئی عیب نہیں دیکھا کہ قدرت کے باوجود کسی کام کو ادھورا چھوڑ دیا جائے۔

## بہت جلد محقق و مفتی بننے کا شوق دل سے نکالنا ضروری ہے

یہ بھی ایک مرض ہے کہ طلبہ ایک دو سالوں میں مفتی بننے کے شوقین ہوتے ہیں حالانکہ یہ مرتبہ اتنی جلد حاصل نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ اِمام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اِمام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (کسی خاص اعتبار سے) فرمایا کہ "تم بہت ذہین تو نہ تھے مگر تمہاری کوشش اور

مستقل مزاجی نے تمہیں آگے بڑھایا، لہٰذا ہمیشہ سستی سے بچتے رہنا کہ سستی بہت بڑی آفت اور منحوس چیز ہے۔"

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس موضوع پر دو خوبصورت اشعار ہیں:

دَعِی نَفْسِی التَّکَاسُلَ وَ التَّوَانِی
وَالاَّفَاثْبُتِیْ فِیْ ذِی الْھَوَانِ

فَلَمْ اَرَ لِلْکُسَالٰی الْحَظَّ یُعْطِی
سِوَی نَدَم وَّحِرْمَانِ الْاَمَانِ

ترجمہ:(1)اے میرے نفس! سستی اور کاہلی چھوڑدے ورنہ رسوائی ہی تیرا مقدر ہوگی۔

(2)میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ کاہلوں کو کچھ ملا ہو سوائے شرمندگی اور محرومی کے۔

اوپر کی تمام باتیں علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب سے مستفاد تھیں۔ مزید چند باتیں عرض کرتا ہوں:

(1)پہلی بات یہ کہ علم فقہ سیکھنے کی ضروری شرائط و طریقے کو اپنے پاس لکھ کر رکھ لیں اور اسے وقتاً فوقتاً پڑھتے رہیں۔

(2)اب جن چیزوں میں کمی معلوم ہوتی ہے ان کو ضرورت کے درجے کے مطابق ترتیب دے کر مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

(3)مہارت کے لئے لگاتار محنت ضروری ہے اور اس کے لئے سب سے پہلے غیر

ضروری کاموں کو اپنی زندگی سے خارج کر دیں۔

(4) ہمت نہ ہارنے کا تہیہ کرلیں اور مشکلات کے باوجود حصولِ مقصد میں لگن سے مگن رہیں۔

(5) فقہ سیکھنے میں دل لگنا بہت ضروری ہے۔ بے دلی سے یہ علم کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

(6) یہ بات پہچاننے کی کوشش کریں کہ کام میں کیا چیز اصل میں اہم ہے۔ صرف ان چیزوں پر توجہ دیں۔ بہت سے کام غیر ضروری ہوتے ہیں اور طلبہ انہی پر اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔

(7) یاد رکھیں کہ محنت کے بغیر الف با لکھنی نہیں آتی تو علمِ فقہ کہاں سے آئے گا۔

ع کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

مفتی بننے اور فقہی مہارت حاصل کرنے میں معاون کچھ مشورے سطورِ بالا میں ذِکر کئے ہیں لیکن حقیقت میں یہ موضوع مفصل رہنمائی کا متقاضی ہے اور یہ رہنمائی وہی ماہر علم و فن دے سکتا ہے جو سیکھنے سکھانے کے اِن مراحل سے گزرا، کامل شرحِ صدر کے ساتھ اِن اصولوں کو سمجھا اور بصیرتِ تامہ کے ساتھ اِن قوانین پر غور و خوض کیا ہو۔ اور ہمارے لئے یہ نہایت خوشی کا مقام ہے کہ دارالافتااہلِ سنّت کے مایہ ناز فقیہ حضرت ۔ مولانا مفتی محمد فضیل عطاری مدظلہ العالی اِن اوصاف کی حامل شخصیت ہیں جنہوں نے طلبا و علما کی رہنمائی کے لئے نہایت خوبصورت، موثر، جامع اور

حقیقی تجربات و مشاہدات پر مبنی یہ کتاب "فتویٰ نویسی کا تعارفی جائزہ" تحریر فرمائی۔ میری صرف فقہ نہیں بلکہ تمام علومِ دینیہ کے طلبہ و اساتذہ سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ کتاب مفتی بننے کے بنیادی ارکان و شرائط اور نہ بن سکنے کے حقیقی اسباب و علل کو طشت از بام کرتی ہے۔ صرف فقہی مہارت نہیں بلکہ کسی بھی شعبے میں علمی مہارت کے لئے اِس کتاب میں بیان کردہ اصولوں کی پاسداری ضروری ہے اور اگر ہمارے اساتذہ و طلبہ اِس کتاب کو بار بار مطالعہ کریں اور اس میں بیان کردہ رہنما اصولوں کو ذہن نشین کر کے اُن کے مطابق عمل در آمد کریں تو ان شاء اللہ عزوجل علمی منزل کے حصول میں نہایت مفید پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قبلہ مفتی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا علمی فیضان مزید عام فرمائے۔

از محمد قاسم قادری

19مارچ2018ء

# پیش لفظ

دار الافتاء میں ہونے والے کاموں میں فتوی نویسی کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، سب سے بنیادی کام یہی ہوتا ہے، اسی کی مشق سے فقاہت کا بیج پیدا ہوتا ہے اور مسلسل مشق سے پروان چڑھ کر سرسبز وشاداب درخت بن جاتا ہے، مگر اس کی معیاری قابل قبول مشق کوئی اتنی آسان بات بھی نہیں، سوال، متعلقہ جزئیات، خارجی حالات سب ہی کچھ مد نظر رکھنا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فطرتاً ذہین، ہوشیار، کارگزار ہونا اس میدان میں آنے والے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

لہذا اس سمت آنے والے طالب علموں کو خوب حاضر دماغی سے مطالعہ و مشق میں مصروف رہنا چاہئے، وہ "فقہی مزاج و شوق رکھتے ہیں" اس کا فقط زبانی حد تک دعوی نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس دعوے کو عملی جامہ پہنانے کی سنجیدہ کوشش بھی کرنی چاہئے تاکہ ان کے قول و فعل میں تضاد دکھائی نہ دے۔

اس مختصر سی کتاب میں "فتوی نویسی کا تعارفی جائزہ" قدرے وضاحت سے پیش کیا جارہا ہے۔ کسی طالب علم کو فائدہ ہو اور اس کی ذہنی الجھنیں سلجھ جائیں اور اس حوالہ سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو اور ہمت بلند اور شوقِ وافرا سے نصیب ہو تو فقیر کو دعاؤں میں یاد رکھے، خصوصاً فقیر کے علم نافع اور عمل صالح میں اضافہ کی اور خاتمہ بالخیر ہونے کی دعا ضرور کرے۔

**ابوالحسن فضیل رضا قادری عطاری**

18 مارچ 2018ء

# فتویٰ نویسی کا تعارفی جائزہ

فتویٰ زبانی، لکھ کر اور اشارہ سے تینوں طرح دیا جاتا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر فتویٰ کا تعلق پہلی دو قسموں سے ہوتا ہے مگر ہاتھ یا سر کے اشارہ سے فتویٰ دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ بخاری شریف، کتاب العلم میں امام بخاری نے ایک ترجمۃ الباب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”بَابُ مَنْ اَجَابَ الْفُتْیَا بِاِشَارَةِ الْیَدِ وَالرَّاْسِ“

(اس شخص کے بارے میں باب جس نے ہاتھ اور سر کے اشارے سے فتویٰ دیا)

اور اس کے تحت چند احادیث مبارکہ بطورِ دلیل درج فرمائی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مفتی اشارے سے بھی فتویٰ دے سکتا ہے، اسی لئے آپ نے اس مسئلہ کو باب کا عنوان بنایا ہے۔ شامی وغیرہ کتبِ فقہ کی کتاب القضا میں بھی اس بات کی تصریح موجود ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تفہیم میں کسی قسم کی کمی نہ رہ جائے اور سائل کی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو۔

فتویٰ دینے کی یہ صورت سب سے کم پائی جاتی ہے، بہت واضح مسئلہ ہو اور ہاں یا نہ میں اس کا جواب دیا جاسکے اور اشارہ کفایت بھی کرے تو اس پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ قسم عام طور پر معروف نہیں ہے اور فتویٰ کا لفظ سنتے ہی ذہن اس جانب سبقت نہیں کرتا مگر اس کے باوجود تین صورتوں میں سے ایک صورت اپنی جگہ پر ضرور ہے۔

دوسری صورت یعنی سائلین کو مفتیانِ کرام کا زبانی جواب دینا کسی پر پوشیدہ

نہیں ہے۔ وقوع کے اعتبار سے سب سے زیادہ زبانی فتاویٰ ہی صادر کئے جاتے ہیں، اس کے لئے مفتی کا خوب ماہر، تجربہ کار اور محتاط ہونا ضروری ہے ورنہ جلد بازی ، احتیاط نہ کرنے، سائل اور جو دیگر سننے والے ہیں ان کے احوال و مزاج کو مد نظر نہ رکھنے کی وجہ سے جواب میں غلطی، یا جواب سے غلطی فہمی پیدا ہو سکتی ہے، یونہی شر پسند عناصر اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔

تیسری صورت تحریراً فتوی دینے کی ہے اور ان تین صورتوں میں سب سے زیادہ اہمیت و افادیت بھی اسی قسم کو حاصل ہے، کیونکہ تحریری فتاوی کا فائدہ صرف سائل ہی کو نہیں ہوتا بلکہ بھرپور اور بار بار اشاعت کی صورت میں عوام و خواص بلکہ آنے والے فقہاء سب ہی اِس سے مستفید ہوتے ہیں، یونہی ہم عصر اور بعد میں آنے والے فقہاء پہلے سے موجود تحریری فتاوی کا تنقیدی جائزہ لیتے رہتے ہیں اور ان میں اگر کوئی اصلاح کا پہلو موجود ہو تو اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں، نیز فتوی از روئے شریعت غلط ہو، یا دینے والا اس کا اہل نہ ہو تو تساہل برتے بغیر دینی احکام اور شریعت کی بالادستی کے لئے اس کے اظہار و اعلان سے پیچھے نہیں رہتے، یوں مفتی معتمد ہے یا غیر معتمد؟ اس کی بھی پہچان ہو جاتی ہے اور فقہی ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح متون و شروح کے علاوہ جن فقہی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے فتوی لکھا جاتا ہے اور جن کے جزئیات بطورِ استشہاد نقل کئے جاتے ہیں وہ فتاوی ہی کے مجموعے ہوتے ہیں اگرچہ اختلاف کی صورت میں متون کو شروح پر اور شروح

کو فتاوی پر مقدم رکھا جاتا ہے، مگر تیسرا اور آخری درجہ کتب فقہ میں بلاشبہ فتاوی ہی کو حاصل ہے، چند مشہور اور معتبر فتاویٰ کے نام درج ذیل ہیں

(۱) فتاویٰ قاضی خان (۲) فتاوی بزازیہ (۳) خلاصۃ الفتاویٰ

(۴) فتاویٰ عالمگیری (۵) فتاویٰ رضویہ (۶) فتاویٰ امجدیہ

(۷) فتاویٰ مصطفویہ وغیرہ

تنبیہ: اگرچہ مفتی پر لکھ کر فتوی دینا واجب نہیں مگر بعض خارجی اور شخصی احوال کے پیش نظر مصلحتاً لکھ کر فتویٰ دینا ضروری بھی ہو جاتا ہے، مثلاً جو کسی اور کے بارے میں حکم شرعی پوچھ رہا ہو اور قرآئن سے معلوم ہو کہ درست جواب اس تک نہیں پہنچا سکے گا بلکہ فسق و فجور کی بناء پر خیانت سے کام لے گا، یا کمزور فہم کی بناء پر جس طرح سمجھنا چاہئے پوری بات سمجھ نہ پائے گا، جب اس قسم کے اشخاص کو جواب پہنچانے میں نمائندہ بنانا ضروری ہو جائے تو لکھ کر اسے دے دیا جائے اور وہ من و عن آگے پہنچادے، یوں بغیر کسی کمی بیشی کے مکمل حکمِ شرعی بیان ہو جانے پر اطمینان ہو جائے گا۔ یونہی سائل ہی کو فتوی درکار ہو مگر مسئلہ اس قدر نازک ہو کہ زبانی بیان کرنا تمام ترقیودات کی رعایت کے ساتھ مشکل معلوم ہو اور احتیاط کے ساتھ بیان کیا بھی جائے تو سننے والے کو کما حقہ سمجھنے میں دشواری ہو اور اس کا مطالبہ ہو کہ لکھ کر دیں تاکہ کئی بار پڑھ کر قیودات اور اس کے فوائد کو ذہن نشین کروں، یا وہ مطالبہ نہ بھی کرے لیکن اس کے بارے میں گمانِ غالب یہی ہو کہ تحریر کے بغیر اسے مکمل بات سمجھ نہ آئے گی، تو شرعی مصلحت اسی میں

ہوتی ہے کہ پوری بات لکھ کر دی جائے۔

رسم افتاء کے آداب میں ایک ادب یہ بھی بیان ہوا ہے کہ موجودہ زمانے میں غلبۂ جہل کی بناء پر جواب خوب وضاحت کے ساتھ دینا چاہئے، جیسا کہ فتاوی حامدیہ میں ہے:

"اَلْوَاجِبُ عَلَى الْمُفْتِيِ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ الْمُبَالَغَةُ فِيْ اِيْضَاحِ الْجَوْابِ لِغَلَبَةِ الْجَهْلِ" ترجمہ: مفتی پر اس زمانے میں غلبہ جہل کی وجہ سے جواب خوب وضاحت و مبالغہ کے ساتھ دینا ضروری ہے۔[1]

چونکہ اِیْضَاحْ فِيْ الْجَوَابْ میں مبالغہ تحریری طور پر بآسانی ہوتا ہے اس لئے بعض اوقات لکھ کر جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس بیان کردہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ فتویٰ عام اور فتویٰ نویسی خاص ہے یعنی ان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

## فتویٰ نویسی کی مشق کے حوالہ سے ایک غلط فہمی

محض ناقلین کے فتاویٰ اردو یا عربی میں ہوں، سوال آنے پر دو چار لفظ کی تبدیلی کے ساتھ انہیں میں سے کوئی جواب نقل کر دیا جائے، حوالہ جات بھی انہیں فتاوی سے منتخب کر لئے جائیں، ایک آدھ نیا جزئیہ شامی یا عالمگیری وغیرہ معتمد کتاب سے ڈھونڈ کر نقل کر دیا جائے، پھر آخر میں کتبہ کے بعد اپنا نام خوبصورت رسم الخط میں لکھ دیا جائے، افتاء کی حقیقت و اہمیت اور اس کی مشق کا

---

1 ---- تنقیح الفتاوی الحامدیہ، ج ۱، ص ۸، مطبوعہ

حقیقی بنیادی مفہوم سمجھنے سے قاصر بہت سے طلباء کے نزدیک فتوی نویسی کی مشق بس اسی کا نام ہے۔اس طرح کے سو دو سو ترکہ، طلاق، حظر و اباحت سے تعلق رکھنے والے سوالات کے جوابات لکھنے کے بعد ان کے تنگ سینوں میں یہ خواہش مچلنے لگتی ہے کہ مفتی اعظم کے لقب سے ہمیں بھی ملقب کیا جائے، یا کم از کم مفتی اعظم نہ سہی صرف مفتی تو ہمیں ضرور کہا جائے، ان کے خیال میں مزید سیکھنے کے لائق کوئی چیز باقی نہیں بچتی، اپنی کم علمی اور سوءِ فہم کے باعث نقطہ آغاز کو انتہاء سمجھنے والے ایسے جلد باز طلباء کی تعداد آج کل کم نہیں ہے۔

## بداخلاقیوں میں گھرا معاشرہ اور طلباء کی حالت زار

میرے خیال میں کافی حد تک مدارس کے نظام تعلیم میں کمزوری کا بھی دخل ہے، اگر انہیں درس نظامی کے دوران ہی دین کی خدمت ٹھوس علمی بنیادوں پر کرنے کے طریقہ کار اور قرآن و حدیث فقہ و تصوف کا خوب احتیاط کے ساتھ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالی جاتی، اساتذہ بھی اس حوالہ سے ان کی ذہن سازی اور نگرانی کرتے تو شاید اس قسم کی صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا مگر جب نظام تعلیم کے بنیادی ستون ہی کمزور ہو چکے ہوں تو پھر بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

آج تدریس کو یار لوگوں نے بہت آسان بنالیا ہے، علمی کاموں میں سب سے آسان تدریس کو سمجھا جانے لگا ہے، عالَم یہ ہے کہ مدارس میں ایسے ایسے لوگ مدرس ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تدریس ایک بہت اہم

اور مشکل کام ہے، خود کتاب کے مضامین کو کماحقہ سمجھنا اور پھر طالب علم کو اس طرح سمجھا دینا کہ وہ واقعی سمجھ لے اتنا مشکل ہے کہ اس کی تعبیر کے لیے الفاظ نہیں، پھر اگر طالب علم ذہین ہے تو اس کے شبہات کو اس طرح دور کرنا کہ وہ مطمئن ہو جائے، صرف خداداد استعداد ہی سے ہو سکتا ہے۔ طالب علم جو شبہ وارد کر رہا ہے، اس کی بنیاد کیا ہے؟ وہ ابھی قادر الکلام نہیں اپنی بات کماحقہ کہہ نہیں پاتا ہے، ایک ماہر استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ طالب علم کے غیر مربوط جملوں سے یہ اخذ کر لے کہ اس کو کھٹک کیا ہے؟ اور یہ کہنا کیا چاہ رہا ہے؟ جس مدرس میں یہ کمال نہ ہو وہ حقیقت میں مدرس نہیں۔ (1)

مزید اسی مقالہ میں فرماتے ہیں کہ

کہا جاتا ہے "اگر طالب علم ذہین ہے تو اسے کوئی بھی استاذ پڑھائے وہ ذی استعداد ہو جائے گا" لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہے، آج ہمارے ہزاروں عربی مدارس ہیں، جن میں ذہین سے ذہین طلبہ تحصیل علم کے شوق میں آتے ہیں، لیکن چونکہ اب ہمارے مدارس میں اساتذہ کی تقرری استعداد دیکھ کر نہیں ہوتی بلکہ رشتہ، سفارش، اور سیاسی اغراض کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اکثر مدرسین بھرتی کیے ہیں، جس کے نتیجہ میں ذہین سے ذہین طالب علم فراغت کے بعد بھی ناخواندہ رہتا ہے، منتہی طلبہ ابتدائی باتیں تک نہیں بتا پاتے، وہ بھی ایسی باتیں جو ہر وقت زبان زرد رہتی ہیں اور افسوس یہ ہے کہ اساتذہ بھی اس سے ناواقف ہیں، دورہ حدیث میں

---

(1) ......مقالات شارح بخاری، ج۱، ص۸۰۰۔

شریک ہونے والے ذہین طلبہ بھی یہ نہیں جانتے کہ ثانیہ ثالثہ، رابعہ وغیرہ کیا صیغے ہیں؟ نماز میں کیا فرض ہے، کیا واجب، کیا سنت وغیرہ وغیرہ؟ لیکن ایک ماہر مدرس متوسط ذہن رکھنے والے طالب علم کو بھی کندن بنا دیتا ہے۔[1]

پھر طلباء کے بگاڑ اور باقاعدہ تعلیم سے ان کی دوری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مادی ترقی کے اس دور میں نام و نمود اور بے چینی و اضطراب کی لہر جس طرح سب کو متاثر کر رہی ہے اور اخلاقی اقدار کی درستگی اور قلب و نظر کی تطہیر سے لوگوں کو غافل رکھے ہوئے ہے، دینی مدارس کے طلباء بھی ان بد اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، وہ بھی اسی معاشرے میں بسنے والے انسان ہیں، مدارس کے مقدس ماحول کے بعد خارجی ماحول کے بد اثرات ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور جدید ذرائع ابلاغ سے بڑے پیمانے پر پھیلے ہوئے فساد میں وہ بھی گھرے رہتے ہیں لہٰذا اس طرح کی صورت حال میں غیر تربیت یافتہ کا بچنا اور خود کو سنبھالنا اور نفس کے خلاف مسلسل جہاد میں مصروف رہنا بہت مشکل و دشوار دکھائی دیتا ہے اور انہیں تعلیم کے بنیادی مقاصد، (1) تہذیبِ اخلاق، (2) تزکیہ نفس اور (3) تربیتِ دماغ کے حصول کے لئے سنجیدگی کے ساتھ آمادہ کرنا اور باقاعدگی کے ساتھ اس راہ کو عبور کرنے کے لئے جہاد بالنفس میں مصروف رکھنا کوئی سہل و آسان کام نہیں ہے۔

اس لئے مدارس کے طلبہ کا رائج نصابی تعلیمی معیار بہتر کرنے کے ساتھ

---

1 ......مقالات شارح بخاری، ج۱، ص۲۰۸۔

ساتھ ترجیحی بنیادوں پر ان کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کی بھی اشد ضرورت ہے، علم دین کے حصول میں دلچسپی لینے والوں کی تعداد پہلے ہی آٹے میں نمک کے برابر ہے، اگر انہیں بھی سنبھالنے اور سنوارنے کا بھرپور انتظام نہ کیا گیا اور ان میں سے چن چن کر ٹھوس علمی بنیادوں پر دین کی خدمت کرنے والے مدرس، مفتی، مصنف، محقق بنانے میں دلچسپی نہ لی گئی تو سطحیت پسند مقررین ہی کا ہجوم رہ جائے گا۔ اگرچہ مقررین کی بھی کثرت کی ضرورت ہے مگر صرف مقررین ہی سے تو دین کے تمام ضرورتیں پوری نہ ہوں گی اور پھر ان کے علمی معیار میں اضافہ کی بھی شدید حاجت ہے کہ عوام کی گردش زیادہ تر مقررین اور پیروں تک ہی محدود ہوتی ہے۔ مقررین اور مشائخ کو خود موجودہ زمانے میں علمی اور عملی لحاظ سے کافی تربیت کی ضرورت ہے۔

مگر ان تمام تر مقاصد حسنہ کے باجود افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اکثریت کا مزاج کاروباری بن چکا ہے، کسی علمی اور تحقیقی کام کو سیکھنے سمجھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے گمنامی اور تنہائی میں رہ کر بلند مقصد کے حصول کے لئے قربانی دینے کا جذبہ اب تقریباً مفقود ہوتا جارہا ہے۔ صرف ان کاموں میں دلچسپی لی جاتی ہے جن سے فوری مالی منفعت یا دنیا میں نام کا ڈنکا بجے، یہی وجہ ہے کہ سطحی مقررین کی تعداد بہت زیادہ ہے، طلباء بھی اس میں دلچسپی لیتے ہیں، مگر بہترین مدرس جو مدرسہ میں رہ کر طلباء کی ذہن سازی کرے، تدریجاً انہیں باصلاحیت اور باکمال بنائے، آنے والے وقت کے لئے ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر دین کی خدمت

کرنے والوں کو تیار کرے، اکا دکا دکھائی دیتے ہیں، یہی حال فقہی تحقیقات کرنے والوں اور اس میدان میں نئے آنے والوں کی تربیت کر کے انہیں باکمال بنانے والوں کا ہو رہا ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ "علم اٹھ جائے گا" اور اس کا مطلب یہ بیان ہوا کہ "علماء اٹھ جائیں گے تو علم اٹھ جائے گا" اس کے مناظر سب کے سامنے ہیں۔

## علم نافع کا بول بالا کیسے ہو؟ ایک حل

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مقام پر اپنے زمانے کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے طویل مضمون میں علمی و عملی پسماندگی کا حل بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ "مدرسین، مناظرین، مصنفین، مقررین ہر طرح کے علماء کی ٹیمیں تیار ہونی چاہئیں" اور مضمون کی ابتداء میں باقاعدہ تعلیم پر زور دیا تھا۔ھکذا فی الرضویہ۔[1] اس لئے کہ بے قاعدہ پڑھا ہوا نہ مدرس بن سکتا ہے نہ مصنف نہ مناظر بلکہ مقرر بننے کے لئے بھی جتنا علم درکار ہوتا ہے، بے قاعدگی سے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا، کفر و اسلام، سنیت و بد مذہبیت، ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ مذہب اہلسنت مہارت کے ساتھ جاننے والے کتنے ہیں؟ معیاری تدریس کرنے والے کتنے؟ اچھے مصنفین کی تعداد کتنی؟

دکھ کی بات یہ ہے کہ طلباء کی اکثریت علم ظاہر میں بھی ناقص اور علم باطن سے بھی تہی دامن ہے۔ تخصص میں داخلے کے خواہشمند بلکہ مشق کرنے والوں

---

[1] ......فتاوی الرضویہ، ج۲۹، ص۵۹۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور.

سے جب پوچھا جاتا ہے کہ باطن کی طہارت کے لئے تصوف کی کون سی کتابیں پڑھیں، قرآنِ کریم کے مواعظ اور کتب احادیث سے کتاب الادب کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟حقوق اللہ اور حقوق العباد کا احیاء العلوم اور دیگر کتب تصوف اور فتاوی رضویہ وغیرہ سے مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ تقوے کے مدارج کتنے ہیں؟ فلاح ظاہر کے لئے کم از کم ہر مسلمان کو عموماً اور دین کے داعیوں کو خصوصا کیا کرنا چاہئے؟تو ان کا جواب شرمندگی کے ساتھ خاموشی کی صورت میں ملتا ہے، اگرچہ بات کچھ طویل اور موضوع سے غیر متعلق ہوگئی مگر اہم تھی اس لئے کہے بغیر رہا نہیں گیا،

الغرض بات چونکہ فتوی نویسی کے تعلق سے ہو رہی تھی اس لئے نادان طالب علموں کو اپنی غلط فہمی دور کر کے مقصد کی صحیح تعیین کرلینی چاہئے ،دوسروں کی تخریب کاریوں سے متاثر ہو کر باقاعدہ پڑھنے سمجھنے کے بجائے نیم مولوی خطرہ ایمان بننے سے گریز کرنا ان کے لئے ضروری بلکہ اشد ضروری ہے۔ صبر و تحمل، دیانت و انصاف اور مسلسل محنت و لگن کے ساتھ مطالعہ، مشق اور مشاورت میں مصروف رہنا چاہئے ،فتوی نویسی کی مشق کے تعلق سے ضروری رہنما اصول و اقتباسات بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ فقہ و افتاء کے الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تعریف ذکر کردی جائے۔

## افتاء کا لغوی و اصطلاحی معنی

افتاء کا لغوی معنی جواب دینا ہے۔ قرآنِ کریم میں سورۂ یوسف میں بادشاہِ

مصر کا یہ قول منقول ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ (1)

ترجمۂ کنزالایمان: اے درباریوں میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو۔

یونہی استفتاء کا معنی لغت میں مطلق سوال کرنا ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ میں حضرت سیّدُنا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کا قول منقول ہے کہ آپ نے خواب کی تعبیر بیان کرنے کے بعد فرمایا:

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ (2)

ترجمۂ کنزالایمان: حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔

افتاء کا اصطلاحی معنی شرعی مسئلہ کا جواب دینا ہے۔ سیّد شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب التعریفات میں فرمایا:

"اَلْاِفْتَاءُ بَیَانُ حُكْمِ الْمَسْئَلَةِ" یعنی شرعی مسئلہ کا حکم بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔(3)

## فقہ کا لغوی و اصطلاحی معنی

اگرچہ علم و فقہ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے اور بعض کتب میں فقہ کا معنی "اَلْعِلْمُ

---

1 ------پ ۱۲، سورۃ یوسف: ۴۳۔

2 ------پ ۱۲، سورۃ یوسف: ۴۱۔

3 ------التعریفات، ص ۲۶۔

بِالشَّیٔ" کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے مگر عِنْدَالْمُحَقِّقِین علم و فقہ کے مابین فرق ہے، وہ یہ کہ علم کے ساتھ فہم (عمیق) بھی ہو تو اسے فقہ کہا جائے گا ورنہ محض علم رہے گا۔ اور فہم سے مراد متکلم کی غرض کا فہم ہے اسی لئے میں نے فہم کے ساتھ عمیق کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

مستصفی میں ہے:

"اَلْفِقْهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْعِلْمِ وَالْفَهْمِ فِیْ اَصْلِ الْوَضْعِ" یعنی اصل وضع میں فقہ علم و فہم سے عبارت ہے۔ (1)

فصولُ الحواشی میں ہے:

"اَلْفِقْهُ لُغَةً فَهْمُ غَرْضِ الْمُتَكَلِّمِ مِنْ كَلَامِهٖ" یعنی فقہ کا لغوی معنی متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنا ہے۔ (2)

مفرداتِ امام راغب میں ہے:

"اَلْفِقْهُ اَلتَّوَصُّلُ اِلٰى عِلْمٍ غَائِبٍ بِعِلْمٍ شَاهِدٍ فَهُوَ اَخَصُّ مِنَ الْعِلْمِ" یعنی علم شاہد سے علم غائب تک پہنچنا فقہ ہے اور یہ علم سے اخص ہے۔ (3)

جبکہ علم فقہ کا اصطلاحی معنی کتبِ اصول میں ان الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے:

"اَلْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ الْمُكْتَسَبَةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ" یعنی

---

1 ...... مستصفی، ص۳.

2 ...... فصول الحواشی، ص۱٤.

3 ...... المفردات للراغب اصفهانی، ص٤٣٠.

شرعی عملی احکام جن کا اکتساب تفصیلی دلائل سے (نظر واستدلال کے ذریعہ) ہو علم فقہ کہلاتا ہے۔

تعریف میں "مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ" کی قید سے واضح ہوتا ہے کہ فقہی مسائل میں مہارت کے باوجود محض مقلد (جو طبقاتِ مجتہدین میں سے کسی طبقہ میں نہ ہو اس) کا علم، فقہ نہیں کہلاتا کیونکہ وہ دلائل تفصیلہ سے احکامِ شرعیہ فرعیہ کا اکتساب نہیں کر سکتا۔ (۱)

صدرِ اوّل کے بعد جب نت نئے حوادث کی بنا پر رُسُوْخ فِی الْعِلْم رکھنے والوں کو اجتہاد کی ضرورت درپیش آئی اور اجتہاد کا دَور دَورا ہوا اور اصولِ فقہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی اس وقت ائمۂ اصول نے فقہ کی یہ تعریف وضع کی تھی جس کی رو سے فقیہ مجتہد ہی ہوتا ہے، جبکہ اس سے پہلے صدرِ اوّل میں فقہ فی الدین کا لفظ کافی وسیع معنی میں بولا اور سمجھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے "مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَا عَلَيْهَا" کے الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف منقول ہے۔ یعنی انسان کا اپنے فرائض وواجبات اور اس کے لئے کیا جائز ہے یا کس میں اس کا نفع ہے اور کیا چیز اس کے لئے مضر ہے دلیل سے ان باتوں کا ادراک فقہ کہلاتا ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ صدرِ اوّل میں دلائل تفصیلیہ سے فقہی احکام کے علم کے علاوہ علم عقائد وعلم اخلاق دو مزید چیزیں فقہ کے عموم میں داخل

---

(۱)......تنقیح و توضیح مع التلویح، ص۲۶ ملخصاً.

تھیں، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی علم کلام کی کتاب کا نام فقہ اکبر رکھا ہے۔[1]

## اصل اہلِ فتویٰ یعنی مجتہدین کا علمی و عملی مقام

امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”اِنَّ تَمَامَ الْفِقْهِ لَایَكُوْنُ اِلَّا بِاجْتِمَاعِ ثَلَاثَةِ اَشْيَاءٍ: اَلْعِلْمُ بِالْمَشْرُوْعَاتِ وَالْاِتْقَانُ فِيْ مَعْرِفَةِ ذٰلِكَ بِالْوَقُوْفِ عَلَى النُّصُوْصِ بِمَعَانِيْهَا وَضَبْطِ الْاُصُوْلِ بِفُرُوْعِهَا ثُمَّ الْعَمَلُ بِذٰلِكَ فَتَمَامُ الْمَقْصُوْدِ لَايَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ الْعَمَلِ بِالْعِلْمِ وَمَنْ كَانَ حَافِظًا لِلْمَشْرُوْعَاتِ مِنْ غَيْرِ اِتْقَانٍ فِي الْمَعْرِفَةِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الرُّوَاةِ وَبَعْدَ الْاِتْقَانِ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَامِلًا بِمَا يَعْلَمُ فَهُوَ فَقِيْهٌ مِنْ وَجْهٍ دُوْنَ وَجْهٍ فَاَمَّا اِذَا كَانَ عَامِلًا بِمَا يَعْلَمُ فَهُوَ الْفَقِيْهُ الْمُطْلَقُ الَّذِيْ اَرَادَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ وَهُوَ صِفَةُ الْمُتَقَدِّمِيْنَ مِنْ آئِمَّتِنَا اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رضی اللہ عنهم وَلَا يَخْفٰى ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَتَاَمَّلُ فِيْ اَقْوَالِهِمْ وَاَحْوَالِهِمْ عَنْ اِنْصَافٍ“ یعنی علم فقہ تین اشیاء کے اجتماع کے بغیر مکمل نہیں ہوتا: (1) علم بالمشروعات (یعنی حلال و حرام، مکروہ و مندوب، صحیح فاسد وغیرہ جزئیات کا علم) (2) علم بالمشروعات میں رسوخ اس طرح کے نصوص پر معانی (علل) کے ساتھ آگاہی اور ... کا فروع کے ساتھ ضبط ہو (3) پھر اس علم پر عمل بھی ہو۔

---

[1]......تنقیح و توضیح مع التلویح، ص۲۲ تا ۲۵ ملخصاً۔

تو مکمل مقصود علم کے ساتھ عمل کے بعد حاصل ہوتا ہے تو جو مشروعات کا حافظ ہو من غیر اتقان وہ محض راویوں میں سے ہے اور اتقان کے بعد جبکہ عامل نہ ہو من وجہ فقیہ ہے من وجہ غیر فقیہ اور جو علم علی وجہ الاتقان حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے والا بھی ہو تو وہ فقیہِ مطلق ہے جس کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے اور یہ ہمارے ائمہ مقدمین امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفت ہے اور جو ان کے اقوال و احوال پر دیانت و انصاف سے غور کرنے والا ہے اس پر مخفی نہیں۔ (1)

تمامیتِ فقہ کے لئے یہی مضمون معمولی لفظوں کے اختلاف سے اصولِ بزدوی اور اس کی علامہ عبد العزیز بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح کشف الاسرار اور امام نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اپنی شرح منار میں بھی ہے۔ یہ سب جلیل القدر ائمہ ہیں، سب کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ محض مشروعات کا من غیر اتقان جاننے والا فقیہ نہیں راوی و ناقل ہے تو صدرِ اوّل میں فقہ کے وسیع معنی کا لحاظ کیا جائے یا بعدہ آئمۂ اصول فقہ کی بیان کردہ تعریف کا غیر مجتہد حقیقتاً فقیہ و مفتی نہیں ہوتا۔

## مفتی حقیقتاً مجتہد ہی ہوتا ہے

الحاصل یہ کہ مفتی حقیقتاً مجتہد ہوتا ہے۔ اجتہاد کے بعد جو حکم شرعی اس نے

(1)......المبسوط للسرخسی، ج۱، ص۵، دار الکتب العلمیہ بیروت.

دریافت کیا ہے اسے مستفتی کے جواب کے طور پر نقل کرنا اس کا فتوی کہلاتا ہے۔
غیر مجتہد ملکہ تمیز رکھنے والے فقہی جزئیات کے ماہر کو عرف عام میں مفتی کہا جاتا ہے مگر در حقیقت وہ مفتی نہیں بلکہ محض ناقل ہوتا ہے اور اس کا بھی ہر مسئلہ کو بطورِ حکایت نقل کرنا فتوی عرفی نہیں ہوتا بلکہ سائل کے سوال پر کتب معتبرہ میں درج جزئیاتِ معتمدہ میں سے کسی راجح اور معتمد جزئیہ پر اعتماد کرتے ہوئے سائل کو اس کی مطلوبہ صورت میں حکم شرعی بتانا اس کا فتوی عرفی کہلاتا ہے۔

تو جس طرح مجتہد کے اجتہاد اور اس کے فتوی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے یعنی اس کا ہر فتوی اجتہاد ہوتا ہے مگر ہر اجتہاد اس کا فتوی نہیں کہلاتا، یونہی مفتی ناقل کی مجرد نقل و حکایت اور اس کے فتوی عرفی میں بھی فرق ہے۔ سائل کو راجح و معتمد قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی مسؤلہ صورت میں جواب دے تو یہ اس کا فتوی عرفی کہلاتا ہے ورنہ مجرد نقل و حکایت ہی رہتا ہے، یوں اس کے فتوی عرفی اور مجرد نقل و حکایت میں بھی عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی اس کا ہر فتوی عرفی اس کی نقل ہے مگر اس کی ہر نقل اس کا فتوی عرفی نہیں ہے۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

”وَالْمُفْتِي الْمُجْتَهِدُ مِنْ حَيْثُ يُجِيبُ السَّائِلَ فَهُوَ اَخَصُّ مِنْهُ وَالْمُسْتَفْتِيْ يُقَابِلُهُ اَيِ السَّائِلُ مِنَ الْمُجْتَهِدِ مِنْ حَيْثُ هُوَ سَائِلٌ“ یعنی مفتی مجتہد اس وقت کہلاتا ہے جب سائل کے جواب میں حکم شرعی بیان کرے تو وہ مجتہد سے اخص ہے اور مستفتی اس کے مقابل ہوتا ہے یعنی مجتہد سے

سوال کرنے والا اس حیثیت سے کہ وہ سائل ہے۔[1]

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

"وَقَدْ اسْتَقَرَّ رَأْيُ الْأُصُولِيِّينَ عَلَى اَنَّ الْمُفْتِي هُوَ الْمُجْتَهِدُ فَاَمَّا غَيْرُ الْمُجْتَهِدِ مِمَّنْ يَحْفَظُ اَقْوَالَ الْمُجْتَهِدِ فَلَيْسَ بِمُفْتٍ وَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ اِذَا سُئِلَ اَنْ يَذْكُرَ قَوْلَ الْمُجْتَهِدِ كَالْإِمَامِ عَلَى وَجْهِ الْحِكَايَةِ فَعُرِفَ اَنَّ مَا يَكُونُ فِي زَمَانِنَا مِنْ فَتْوَى الْمَوْجُودِينَ لَيْسَ بِفَتْوَى بَلْ هُوَ نَقْلُ كَلَامِ الْمُفْتِي لِيَاْخُذَ بِهِ الْمُسْتَفْتِي "یعنی اصولیین کی ثابت شدہ رائے یہ ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہوتا ہے غیر مجتہد اقوالِ مجتہد کا حافظ (حقیقتاً) مفتی نہیں ہوتا، اس پر واجب ہوتا ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو علی وجہ الحکایۃ مجتہد کا قول نقل کرے، تو جان لیا گیا کہ ہمارے زمانے میں موجود علماء کا فتوی حقیقتاً فتوی نہیں بلکہ مفتی مجتہد کے کلام کو مستفتی کے لئے نقل کرنا ہے۔[2]

امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہی بات مزید وضاحت کے ساتھ اپنے رسالہ مبارکہ "اَجْلَى الْاِعْلَامِ" میں کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے، ایک عرفی۔ فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی آشنائی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے، ایسے ہی حضرات کو اصحابِ

---

1 ------مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت، ج۲، ص۴۳۲۔

2 ------رد المحتار، ج۱، ص۱۶۳۔

فتویٰ کہا جاتا ہے اور اسی معنیٰ میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور اُن جیسے حضرات رحمھم اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا، اور فتوائے عرفی یہ ہے اقوال امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے جیسے کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، فتاوی غزی، فتاوی طوری فتاویٰ خیریہ۔ اسی طرح زمانہ ورتبہ میں ان سے فروتر فتاوی رضویہ تک چلے آیئے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے، آمین۔[1]

امام اہلسنت احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی رسالہ "اَجْلَی الْاِعْلَامِ" میں مزید فرماتے ہیں:

"افتاء یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کرکے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسؤلہ صورت میں حکم شریعت یہ ہے۔ یہ کام کسی کے لئے بھی اس وقت تک حلال نہیں جب تک اسے کسی دلیل شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہو جائے ورنہ جزاف (اٹکل سے بتانا) اور شریعت پر افتراء ہوگا اوران ارشادات کا مصداق بھی بنناہوگا

(1) اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

(2) قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ یعنی فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا

---

1 ۔۔۔۔۔فتاوی الرضویہ، ج۱ الف، ص۱۲۴رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

یا تم خدا پر افترا کرتے ہو۔"[1]

**تنبیہ:** مجتہد کی تحقیق کو اس کا فتوی کہا جائے یا محض اجتہاد، دونوں حکم شرعی ہوتے ہیں جبکہ مفتی ناقل کی تحقیق جب عرفِ عام میں اس کا فتوی کہلائے تو اسے حکم شرعی کہا جائے گا ورنہ محض نقل و حکایت رہے گی۔ اور اس کا مفتی ناقل کی تحقیق ہونا بھی ضروری نہیں ہاں اس کی تحقیق ہو سکتی ہے جیسا کہ ناقلین فقہائے کرام حواشی و شروح کی صورت میں بسا اوقات نقل و حکایت کے ساتھ ساتھ اپنی مدلل رائے یا وجدان کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ مدلل رائے کا اظہار ان کی تحقیق ہی کہلاتی ہے۔ دلائل و جزئیات کی نقل و حکایت کے بعد وجدان سے کسی رائے کا اظہار کریں اور اس پر جزم نہ کریں تو اسے ان کی تحقیق نہیں استظہار اور ان کا رجحان کہا جاتا ہے۔ بہر صورت دوسرے کی رائے اپنی تحقیق یا رجحان کے بغیر بھی نقل کی جاتی ہے، اس لئے ناقل کی ہر نقل و حکایت کا حکم شرعی ہونا ضروری نہیں ہے، بسا اوقات اس پر حکم شرعی کا اطلاق ہوتا ہے بسا اوقات نہیں ہوتا۔

مفتی ناقل کی تحقیق اور اس کے رجحان میں یہ فرق ہے کہ تحقیق کامل ہونے کے بعد اسے ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے جبکہ رجحان و استظہار کی صورت میں کیفیت مجرد ظن کی رہتی ہے جس کا درجہ ظن غالب سے کم اور شک و تردد سے اوپر ہوتا ہے۔

آج کل چونکہ مفتی ناقل بننا بھی آسان نہیں، اسی میدان کے شہسوار خال

---

1 ..... فتاوی الرضویہ، ج۱ الف، ص۱۱٤، رضا فاؤنڈیشن لاہور.

خال دکھائی دیتے ہیں اور اس مضمون سے بڑا مقصود بھی تخصص فی الفقہ کے طلباء کی تفہیم ہے، لہٰذا اس تمہید کے بعد تمام تر گفتگو اب مفتی ناقل کی فقہی مہارت اور فتوی نویسی سے متعلق کی جائے گی۔ مجتہد اور اس کے اوصاف اور اجتہاد کی شرائط کے صحیح فہم کے لئے کتبِ اصول اور بالخصوص امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ مبارکہ ''اَلْفَضْلُ الْمَوْهِبِيْ'' کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے جس سے مجتہد کی اقسام کی بھی کافی حد تک درست پہچان ہو جاتی ہے اور نام نہاد نااہل قسم کے لوگ جو اجتہاد کا نعرہ مار کر دین میں فساد مچانا چاہتے ہیں ان کا پول بھی کھل جاتا ہے۔

## مفتی ناقل کی ذمہ داری

اب موجودہ زمانہ میں ہمتیں کمزور اور علمی مہارت میں کمی کی بنا پر چونکہ مفتی ناقل بننا بھی کافی دشوار امر ہے کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ دو افراد ایک دوسرے کو مفتی کہنے لگیں اور دونوں مفتی بن جائیں چاہے انہیں فقہ کی تعریف و مبادیات کی کچھ خبر نہ ہو، ابوابِ فقہ اور ہر ہر باب کے تحت مذکورہ جزئیات کبھی سمجھ کر نہ پڑھے ہوں، اٹکل پچوں سے جو چاہے جیسا چاہے سکون و اطمینان سے بیان کر دینا ان کے نزدیک معیارِ تحقیق ہو اور جب دلیل شرع پوچھی جائے تو آگے سے کہہ دیا جائے کہ ''میں کہتا ہوں'' نعوذ باللہ من ذلک۔ اس لئے مفتی ناقل کے نازک منصب کے کچھ تقاضے اور ضروری خدوخال بیان کر دینا مناسب ہے، اس حوالہ سے شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے عالی پیش کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔ حضرت کی شخصیت اور علمی وجاہت و خدمات کا ایک

زمانہ معترف بھی ہے۔ مسلسل گیارہ سال جنہیں مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہونے کا شرف ملا۔ فتاوی فیض الرسول حصہ سوم کی تقریظ میں اس حوالہ سے چند نکات ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یہ کام جتنا مشکل ہے لوگوں نے اس کو اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بہارِ شریعت اور فتاوی رضویہ دیکھ کر کوئی بھی فتوٰی لکھ سکتا ہے، لیکن یہ وہی لوگ کہتے ہیں جو اس بحرِ ناپیدا کنار کے ساحل پر کھڑے نظارہ کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بہارِ شریعت اور فتاوی رضویہ نے مفتی کا کام بہت آسان کر دیا ہے لیکن آسانی کے باوجود فتوٰی نویسی کی دشواری اپنی جگہ قائم ہے۔

فقہائے کرام نے اپنی خداداد فراست، بصیرت و ذہانت سے ہزاروں کلیات اور لاکھوں جزئیات اپنے صحائف میں تحریر فرمادیئے ہیں، مگر نئے نئے مسائل اور مسائل کی نئی نئی شکلیں ایسی رونما ہو جاتی ہیں کہ ذہین سے ذہین آدمی کو کلیات سے یا جزئیات سے حکم نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

پھر اس زمانے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بحمدہ تبارک و تعالی مدارس دینیہ کی کثرت ہے اور ہر مدرسے والے دارالافتاء کا بورڈ لگائے ہوئے ہیں اور مفتی بٹھائے ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر کے فتاوی دیکھ کر رونا آتا ہے۔

عوام بے چارے الگ پریشان ہوتے ہیں کہ آخر فلاں بھی تو مفتی ہے اس نے یہ فتوٰی دیا ہے۔ فتوٰی نویسی کی بنیادی شرط خدا ترسی ہے اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے یار لوگوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں، کسی نے کوّا کھانے کو ثواب لکھ دیا،

کسی نے بکرے کے خصیے کھانے کو جائز کہہ دیا، کسی نے منی آرڈر کی اجرت کو سود کہہ دیا، کسی نے ہندوستان کو دار الحرب کہہ دیا(حالانکہ یہ سب غلط فتوے ہیں۔ف)[1]

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں لکھے گئے ایک مقالہ میں اسی حوالہ سے قدرے وضاحت کے ساتھ مزید کچھ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے، مشہور ہے کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتوی لکھ سکتا ہے، لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دار الافتاء کی خدمت پر مامور ہیں۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا اخیر منزل ہے۔ اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ ہے ارشاد ہے:

"فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ" [2] (مشکوۃ) بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ اسے پہنچاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے کہ ایک بار یہ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں تشریف فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کچھ مسائل

---

1 ......فتاوی فیض الرسول، ج۲، ص۱۳، ۱۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور.

2 ......مشکاۃ المصابیح، ج۱، ص۷۸، حدیث: ۲۲۸، المکتب الاسلامی بیروت.

دریافت کئے گئے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کے جوابات دیئے۔ انہوں نے پوچھا: یہ کہاں سے کہتے ہیں؟ فرمایا: انہیں احادیث سے جنہیں میں نے آپ ہی سے سنا ہے اور وہ سب احادیث مع سندوں کے پڑھ کر سنادیں۔ اس پر حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: تمہیں یہ کافی ہے جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو، میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو، اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور تم نے تو دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

غور فرمایئے! حضرت سلیمان اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی یہ جلوہ ہے فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ کا، یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ہر چیز کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں۔ ان کی نظیر وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ" اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے، وہ چاہے تو دنیا کی ترو

تازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ تعالیٰ کے حضور ہے اسے اختیار کرلے۔

اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے حضور کو اختیار کرلیا ہے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حاضرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں، مگر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اور "فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ" سے مراد وصال تھا۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ [1]

آج کے مفتیان کرام اگرچہ مجتہد نہیں، مگر آج بھی فتوی نویسی کے لئے کتنے تیقظ، بیدار مغزی، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے ان سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجئے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ ایک بہت بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفتاء پیش کیا گیا، انہوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔ وہیں سے یہ استفتاء میرے پاس آیا، میں نے جواب میں لکھا: یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے، اگر شوہر نے یہ بہ نیت طلاق کہا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزئیہ بھی نقل کر دیا تھا۔ میرا یہ فتوی ان شیخ الحدیث صاحب کی

---

1 ......مشکاۃ المصابیح، ج۳، ص۱۶۷۹، حدیث: ۵۹۵۷، المکتب الاسلامی بیروت۔

خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے، اتفاق سے وہ بریلی تشریف لائے تو مجھ سے مؤاخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے؟ میں نے عرض کیا: بہارِ شریعت، عالمگیری میں لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ تو صحیح ہے مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے جب کہ فسخ نکاح اور طلاق لازم وملزوم ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ نکاح لازم وملزوم نہیں ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے جیسے ردت، مصاہرت سے۔

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتوی دینا دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں، فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی ہے مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں، آئے دن سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے ہی رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیق بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے مگر یہ کتنا مشکل کام ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا، جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔ [1]

مزید ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں مفتی وہی ہے جو کتبِ فقہ سے مسائل کے احکام نکال سکے۔ کتبِ فقہ میں جزئیات بکثرت مذکور ہیں، کسی جزئیہ کو کتابوں سے نقل کر دینا کوئی

---

1 .....مقالات شارح بخاری، ج۱، ص۸۳۹تا۸۴۱، مکتبہ برکات المدینہ کراچی۔

اہم کام نہیں، ایسے بزرگوں سے گزارش ہے کہ دار الافتاء کا قلمدان سنبھالیں تو معلوم ہو گا کہ جسے آپ شیر مادر سمجھ رہے ہیں یہ شیر مادر نہیں جوئے شیر لانے سے ہزاروں درجے سخت تر کام ہے۔ پھر ہمیشہ وہی سوالات نہیں کئے جاتے جن کے جوابات کتب فقہ میں مذکور ہیں، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفتی کے سامنے جدید وقائع و حوادث کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں جن کے بارے میں صراحۃً کتبِ فقہ میں کوئی حکم نہیں ملتا، مفتی وہ ہے جو ان جدید وقائع وحوادث کے بارے میں ان کے نظائر کو سامنے رکھ کر عبارات فقہ کی عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص و دیگر مدلولات سے حکم شرعی بیان کرے۔ مفتی ناقل ہوتے ہوئے مستنبط بھی ہوتا ہے اور استنباط کتنا مشکل کام ہے اسے وہی جانتا جو یہ کام کرتا ہے۔ (1)

الغرض فتوی دینا چونکہ انتہائی نازک کام ہے اور فتویٰ حقیقی ہو یا عرفی دلیل شرعی معتبر و معتمد ہر ایک کے لئے درکار ہے اور بغیر تحقیق کے مسئلہ بیان کرنا مفتی ہو یا غیر مفتی ہر کسی کے لئے حرام ہے، اس لئے اس نازک اور اہم دینی امر میں دخل اندازی اپنی اہلیت و استعداد دیکھ کر خوب احتیاط سے کرنی چاہئے اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے۔

## فقہی مسائل اور احتیاط کی ضرورت

بعض لوگ صرف اردو کتب میں شرح و بسط سے لکھے ہوئے مسائل کے

---

(1) ۔۔۔۔۔مقالات شارح بخاری، ج ۱، ص ۸۶۶، مکتبہ برکات المدینہ کراچی۔

بھروسہ پر اپنے آپ کو کامل و مکمل سمجھ کر کارِ افتاء میں دخل اندازی کرتے ہیں حالانکہ ایسوں کا مفتی ہونا محض سہانہ خواب ہے اور فقہی مسائل کی سمجھ بوجھ انہیں حاصل ہونا کالمحال ہے۔ عوام کو شرعی مسئلہ جبکہ دقیق ہو، کتنا ہی سہل لکھا ہو اپنی سمجھ پر بھروسہ کرنا اور پوچھے بغیر بیان کرنا جائز نہیں۔ امام اہلسنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "تَجَلِّیُ الْمِشْکٰوۃ" نامی مبارک و مفید رسالہ مسائلِ زکوٰۃ کے بارے میں تصنیف کیا، خوب تفصیل و تفہیم کے ساتھ مسائل سمجھائے مگر آخر میں انصاف کی بات یوں بیان فرمائی کہ

"غرض للہ الحمد والمنّۃ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بتوفیق المولیٰ سبحانہ و تعالیٰ ان مسائل کو ایسی شرح و تکمیل و بسط جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید اُن کی نظیر کتب میں نہ ملے، امید کرتا ہوں جو شخص ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے وہ ہزارہا مسائلِ زکوٰۃ کا حکم ایسا بیان کرے گا جیسے کوئی عالم محقق بیان کرے، جن مسائل میں فقیر نے آج کل کے بعض مدعیان فقاہت و تحدیث بلکہ امامتِ فنون فقہ و حدیث کو فاحش غلطیاں کرتے دیکھا، کم علم آدمی جو ان تحریراتِ فقیر کو بنہج احسن سمجھ لے گا اِن شاء اللہ تعالیٰ بے تکلّف صحیح و صاف ادا کرے گا، مگر حاشا ہر گز اردو عبارت جان کر اپنی فہم پر قناعت نہ کرے کہ نازک یا غور طلب بات جو آدمی کی اپنی استعداد سے ورا ہو، کسی زبان میں کیسی ہی واضح ادا کی جائے پھر نازک ہے، بلکہ واجب کہ کسی عالم کامل سے ان مسائل کو پڑھ لے تاکہ بحول اللہ تعالیٰ اس باب میں خود عالم کامل ہو جائے۔ (۱)

---

(۱)……فتاوی الرضویہ، ج۱۰، ص۱۲۵تا۱۲۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور.

چند لوگوں نے اہل علم وفقہ سے پوچھے بغیر اپنی رائے پر اعتماد کرکے خلافِ شرع عمل کیا تو امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے قرآن وحدیث کے دلائل سے تفصیلی رد کرتے ہوئے آخر میں بطورِ خلاصہ ارشاد فرمایا کہ

''وہ بہر تقدیر اپنی بے باکی وجرات واستقلال بالرائے ومخالفتِ اہل علم واختراعِ حکم کے باعث مستحقِ تعزیر ہوئے کہ یہ سب گناہ ہیں اور ہر گناہ جس میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے۔۔۔۔۔۔ اور جہاں والیٔ شرع نہ ہو جیسے ہمارے بلاد وہاں یہ لوگ تعزیر سے محفوظی پر خوش نہ ہوں کہ یہ خوشی ان کے گناہ کو ہزار چند کردے گی، بلکہ اس سے ڈریں جس کی حکومت ہر جگہ ہے اور ہر وقت ہر بات پر قادر ہے اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ فوراً صدقِ دل سے تائب ہوں، اور جیسے یہ معصیت اعلانیہ کی توبہ بھی بالاعلان کریں۔ [1]

غور کیا جائے تو راہِ نجات اسی میں نظر آتی ہے کہ جو خود تحقیق نہیں کر سکتا یا کر سکتا ہے مگر اس کی تحقیق مکمل نہیں ہوئی تو اٹکل سے مسئلہ بتانے کے بجائے کسی اور ماہر شریعت کے پاس سائل کو روانہ کردے اور کہہ دے میں نہیں جانتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

**سوال:** بیان کردہ تفصیل سے تو ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ مفہوم پیدا ہو

---

[1] ۔۔۔۔۔فتاوی الرضویہ، ج۱۰، ص۳۵۴ تا ۳۵۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

کہ صرف مفتی ماہر محتاط ہی مسائل کا جواب دے سکتا ہے، جو ایسا مفتی نہ ہو اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو وہ مسئلہ ہی بیان نہیں کر سکتا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مفتی عالم یا عامی کا مسئلہ بیان کرنا جائز نہیں ہے؟

**الجواب:** میں نے کب کہا کہ غیر مفتی عالم کا مسئلہ بیان کرنا جائز نہیں ہے، مفتی جس کا تعلق فتوی سے ہوتا ہے جس کے لئے خاص فقہی مہارت اور اعلی درجے کی ذکاوت درکار ہوتی ہے اس سے متعلق چند باتیں اور احتیاطیں عرض کی ہیں اور اس کے دائرہ کار اور فتوے کی اقسام و نزاکت کو واضح کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جاسکتا ہے کہ غیر مفتی عالم کوئی مسئلہ بیان ہی نہیں کر سکتا۔ غیر مفتی عالم تو عالم ہے عام مسلمان بھی اچھی طرح سمجھا ہوا مسئلہ احتیاط کے ساتھ بیان کرے تو جائز ہے، مثلاً عام مسلمان اگر کسی دوسرے مسلمان کو وضو کے چار فرائض بتائے سکھائے تو کون اسے ناجائز کہہ سکتا ہے؟ مگر مسائل، وضو کے چار فرائض اور غسل کے تین فرائض ہی کے بارے میں نہیں پوچھے جاتے، عبادات معاملات عقوبات اور عقائد و اخلاقیات سے متعلق واضح و آسان اور نازک و دقیق ہر قسم کے مسائل کا حکم دریافت کیا جاتا ہے اور موضوع بحث بنتے ہیں، اس لئے وضو کے چار فرض جاننے والے کو شامی پڑھانے سمجھانے کے لئے تو نہیں بٹھایا جاسکتا، اس سے یہ کام لینا پرلے درجے کی حماقت اور دین دشمنی ہے اور اس کا اس حوالہ سے بے جا دخل اندازی کرنا بلاشبہ ناجائز و حرام ہے۔

تو مفتی مستند کے علاوہ عالم دین معتمد ہو تو اس سے مسائل پوچھنا اور اس کا بتانا

دونوں جائز ہے۔ عوام الناس عام فہم مسائل میں اس پر اعتماد بھی کر سکتے ہیں الا یہ کہ کوئی معرکۃ الآراء نازک مسئلہ ہو اور اس کے حل کے لئے خاص فقہی مہارت درکار ہو اور صرف ماہر مفتی ہی اس حوالہ سے کچھ رائے دے سکتا ہو تو ان مسائل میں مفتی مستند ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

## فتویٰ دینے میں بزرگوں کی احتیاط

ہمارے اسلاف آئمہ مقدمین بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسئلہ شرعیہ بیان کرنے میں کیسی احتیاط فرماتے اور بے باک و جری کی کیسی مذمت فرماتے تھے، ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: جو ہر شرعی حکم پوچھنے والے کو فتویٰ دے وہ مجنون ہے۔[1]

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں ایک سو بیس انصاری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملا، ان میں سے جس کسی سے سوال کیا جاتا تو وہ دوسرے کی طرف پھر دیتے یہاں تک کہ یہی ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہوئے پہلے کے پاس سائل دوبارہ آجاتا۔

ایک روایت میں ہے کہ ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خواہش ہوتی کہ حدیث بیان کرنے میں کوئی دوسرا اس کی جانب سے کفایت کرے اور جب شرعی مسئلہ پوچھا جاتا تو یہ خواہش ہوتی کہ کوئی دوسرا بتادے اور فتویٰ دینے سے اس کی

---

(1)۔۔۔۔۔ادب المفتی والمستفتی، ص۷۵۔

کفایت کرے۔ (۱)

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب کبھی سوال کیا جاتا تو سائل سے فرماتے:

**جاؤ! اب میں غور کروں گا پھر جواب دوں گا**

پھر اس کے جانے کے بعد حکم شرعی کے استنباط میں متردد و پریشان دکھائی دیتے۔ جب اتنی احتیاط کے بارے میں پوچھا گیا تو ایک بار رو کر فرمایا:

**مجھے خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن مجھے بہت سے مسائل درپیش نہ آجائیں۔**

کبھی ایسا ہوتا کہ سر جھکائے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتے۔ کوئی سوال کرتا تو سرخ و سفید رنگت پیلی پڑ جاتی، پھر ذکر میں مشغول ہو جاتے اور کچھ دیر کے بعد کہتے "مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ کبھی پچاس مسائل پوچھے گئے تو صرف ایک کا جواب دیا۔ ایک بار سو سے زیادہ مسائل پوچھے گئے تو صرف پانچ یا دس کا جواب دیا۔ الغرض بیانِ مسائل میں احتیاط کا عالم یہ تھا کہ باری تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا تصور نگاہوں کے سامنے رہتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ "جو جواب دینا پسند کرے تو اسے جواب دینے سے پہلے اپنے نفس کو جنت و دوزخ پر پیش کرنا چاہئے اور یہ فکر کرنی چاہئے کہ آخرت میں اسے کیونکر نجات ملے گی؟ پھر جواب دیتے۔ بعض دیکھنے والوں نے دیکھا اور بیان کیا کہ جب ان سے

---

1 ۔۔۔۔۔ادب المفتی والمستفتی، ص۷۵۔

سوال پوچھا جاتا تو ایسا لگتا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنت و دوزخ کے مابین (خوف زدہ) کھڑے ہیں۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مسئلہ پوچھا گیا تو خاموش ہو گئے۔ کہا گیا کہ کیا آپ جواب نہ دیں گے؟ فرمایا:

**فضل میرے جواب دینے میں ہے یا خاموش رہنے میں پہلے یہ جان لوں۔**

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب مسئلہ پوچھا جاتا تو اکثر فرماتے لَا اَدْرِیْ اور یہ ان مسائل میں جن کے بارے میں انہیں اقوال کا علم ہوتا تھا (مگر معتمد قول کی تفتیش میں تردد کے پیش نظر ایسا احتیاط کرتے ہوئے فرماتے تھے)۔[2]

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کمال احتیاط کا کیا کہنا، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اپنے شاگردوں سے مشورہ کرتے اور ان سے دریافت کرتے اور ان سے گفتگو اور تبادلہ خیال کرتے، ان کے علم میں جو احادیث اور آثار ہوتے وہ سنتے اور جو کچھ انہیں علم ہوتا وہ انہیں سناتے، بعض اوقات ایک مہینہ یا اس سے زیادہ غور و خوض جاری رہتا، یہاں تک کہ ایک قول طے پا جاتا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے لکھ لیتے۔ اس شورائی طریقہ پر انہوں نے اصول طے کئے دوسرے آئمہ کی طرح انہوں نے انفرادی طور پر فیصلے نہیں کئے۔

---

1 ------موافقات للامام الشاطبی، ج٤، ص٢١١، دار الکتب العلمیہ بیروت.

2 ------ادب المفتی والمستفتی، ص٧٩.

عیون المسائل سے منقول ہے کہ جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو چالیس مرتبہ قرآنِ پاک ختم کرتے مشکل حل ہو جاتی۔[1]

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خَلق قرآن کے مسئلہ پر میرا اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا چھ ماہ تک مناظرہ ہوا پھر ہم دونوں کا اس رائے پر اتفاق ہوا کہ جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔[2]

الحاصل یہ کہ کارِ افتاء میں دخل دینا صرف ایسے ماہر و محتاط کے لئے جائز ہے جس کے پاس ایسا علم ہو جو اسے سرکشی اور حد سے بڑھنے سے باز رکھنے والا ہو، ورنہ اپنی لگام ڈھیلی کرنے والا سرکشی میں مبتلا ہو جاتا ہے، دیانت و انصاف اور حق بات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

## کیا مفتی سے غلطی نہیں ہو سکتی؟

میرے کہے کا یہ مطلب نہیں کہ مفتی ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے کبھی غلطی سرزد نہ ہو بلکہ اہل و نااہل کے درمیان فرق واضح کرنا اور علمی اہلیت کے باوجود اخلاقی کمزوریوں کی بناء پر کارِ افتاء میں دخل اندازی درست یا غلط ہونے کے فرق کی نشاندہی کرنا ہے، ورنہ جو ماہر محتاط مفتی مستند یا عالم معتمد ہو اس سے بتقاضائے بشریت غلطی واقع ہو جائے تو ہرگز قصوروار و گناہ گار نہیں ہوتا، نہ ہی اس بناء پر اس کے مستند و معتمد ہونے کا حکم زائل ہوتا ہے، مگر غلطی پھر غلطی ہے خود یا کسی اور کے توجہ دلانے سے جب غلطی پر مطلع ہو جائے تو رجوع و ازالہ اس پر لازم

1 ......تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف(مترجم)، ص۲۲۳۔

2 ......اصول بزدوی، ص۳۔

ہوتا ہے، مطلع ہونے کے بعد بھی رجوع نہ کرنا شرم کی بناء پر ہو یا تکبر سے بہر صورت حرام وگناہ شدید ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی بہار شریعت میں فرماتے ہیں کہ "مفتی کے لئے یہ ضروری ہے کہ بردبار، خوش خلق، ہنس مکھ ہو، نرمی سے بات کرے، غلطی ہو جائے تو واپس لے، اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے، یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتویٰ دے کر رجوع نہ کرنا حیاسے ہو یا تکبر سے بہر حال حرام ہے۔[1]

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ "کسی عالم سے پوچھا کہ آپ صحیح وغلط بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر اس کا جواب دینا کہ ہاں، درست ہے یا نہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا

"اگر اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ مجھ سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے تو درست ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی قصداً مسئلہ غلط بیان کر دیتا ہے تو سخت فسق کا اقرار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم[2]

یونہی آپ سے سوال ہوا "جو صاحب جھوٹا مسئلہ بیان کریں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا:

"جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدیدہ کبیرہ ہے، اگر قصداً ہے تو شریعت پر افتراء

---

1 ۔۔۔۔بہار شریعت، حصہ ۱۲، ص ۲۲۳۔

2 ۔۔۔۔فتاوی الرضویہ، ج ۲۳، ص ۷۱۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہوتا ہے، مطلع ہونے کے بعد بھی رجوع نہ کرنا شرم کی بناء پر ہو یا تکبر سے بہر صورت حرام و گناہ شدید ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی بہار شریعت میں فرماتے ہیں کہ "مفتی کے لئے یہ ضروری ہے کہ بردبار، خوش خلق، ہنس مکھ ہو، نرمی سے بات کرے، غلطی ہو جائے تو واپس لے، اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے، یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتوی دے کر رجوع نہ کرنا حیا سے ہو یا تکبر سے بہر حال حرام ہے۔"[1]

امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے سوال ہوا کہ "کسی عالم سے پوچھا کہ آپ صحیح و غلط بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر اس کا جواب دینا کہ ہاں، درست ہے یا نہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا

"اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ مجھ سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے تو درست ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی قصداً مسئلہ غلط بیان کر دیتا ہے تو سخت فسق کا اقرار ہے۔ واللہ تعالی اعلم"[2]

یونہی آپ سے سوال ہوا "جو صاحب جھوٹا مسئلہ بیان کریں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا:

"جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدیدہ کبیرہ ہے، اگر قصداً ہے تو شریعت پر افتراء

---

1 ------بہار شریعت، حصہ ۱۲، ص ۲۲۳۔

2 ------فتاوی الرضویہ، ج ۲۳، ص ۷۱۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

ہے اور شریعت پر افتراء اللہ عزوجل پر افتراء ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ[1] ترجمہ: وہ جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتویٰ دے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"مَنْ اَفْتٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلٰٓئِكَةُ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ" ترجمہ: جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔[2]

ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہو واقع ہوا اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی اور غلط جواب صادر ہوا تو مؤاخذہ نہیں، مگر فرض ہے کہ مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے، اس پر اصرار کرے تو پہلی شق یعنی افترا میں آجائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم[3]

یونہی ایک سنی عالم نے اپنی کم فہمی کی بناء پر حکم تکفیر دیا جس کی بناء پر آپس میں تفریق ہوئی معاملہ کس قدر نازک ہے، مگر جب امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہوا تو اس کی غلطی پر اصلاح فرمائی اور جب انہوں نے اپنی اس غلطی سے رجوع کرلیا تو ان کے رجوع کو کافی بتایا، انہیں گنہگار قرار نہیں دیا نہ ہی انہیں توبہ

---

1 ۔۔۔۔۔پ ۱۱، سورۃ یونس: ۶۹۔

2 ۔۔۔۔۔ابن عساکر، ج ۵۲، ص ۲۰۔

3 ۔۔۔۔۔فتاوی الرضویہ، ج ۲۳، ص ۷۱۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

کرنے کا حکم دیا۔ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ملاحظہ کیجئے:

"میں نے اس جواب ہی میں بتادیا تھا کہ مولوی علاء الدین صاحب نے مولوی عبد الرحیم صاحب کی تکفیر عنادأنہ کی تھی بلکہ مسئلہ ان کی سمجھ میں یوں ہی آیا تھا جس سے انہوں نے بعد تفہیم فقیر رجوع کی تو ان پر کوئی حکم سخت نہیں، ہاں اگر وہ بعد اس کے کہ حق سمجھ لئے پھر بلا وجہ شرعی تکفیر کی طرف رجوع کریں تو اس وقت حکم سخت ہونا لازم ہے اس کے بعد وہیں ایام اقامت فقیر میں فریقین فیصلہ فقیر پر راضی ہوئے اور بحمد اللہ تعالیٰ باہم صلح کرادی گئی۔۔۔۔۔

بالجملہ یہ امر دین ہے اور دین میں کسی کی رورعایت نہیں۔ دونوں صاحب میرے دوست ہیں اور دونوں صاحب ذی علم اور ایک استاد کے شاگرد ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ بدستور صلح پر قائم ہوں گے جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تحریر سے مجھے معلوم ہوا، ورنہ جس طرف سے نقض عہد واقع ہو وہ ضرور اپنے حکم شرعی کا مستحق ہوگا، کَائِنًا مَنْ کَانَ (جو کوئی بھی ہو) فریقین اس آیہ کریمہ کو پیش نظر رکھیں:

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا [1][2]

یعنی اور میرے بندوں سے فرمادو وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو بیشک شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے بیشک شیطان

---

[1] ۔۔۔۔۔پ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل: ۵۳۔

[2] ۔۔۔۔۔فتاوی الرضویہ، ج۲۹، ص۵۹۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

آدمی کا کھلا دشمن ہے۔

بہار شریعت کی عبارت اور فتاوی رضویہ کے ان دونوں فتووں سے بالکل واضح ہو گیا کہ مفتی مستند یا عالم معتمد سے تحقیق کے باوجود اگر سہواً غلطی ہو جائے تو اس بناء پر فسق و گناہ کا حکم اس پر ہرگز عائد نہیں ہوتا، لیکن ہر ایک کو اپنے دائرہ کار کا لحاظ رکھنا ہو گا، تحقیق کے لفظ کا سہارا لے کر نازک مسائل میں بے جا دخل اندازی جائز نہیں ہے ورنہ اپنی اہلیت سے اوپر کے مسائل میں "تحقیق کا دروازہ کھلا ہے" کا نعرہ مار کر تحقیق کرنا کوئی دین کا تعمیری کام نہیں تخریب و فساد کا وسیع پھاٹک ہے ۔بعض لوگ مقلد ہونے کے باوجود اجتہادیات میں بے جا دخل دیتے، آئمہ کے مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ایسے عقل کے اندھے بلاشبہ دین کے دشمن ہیں۔یونہی مفتی ناقل رسم افتاء کی روشنی میں قول معتمد کا پابند ہے اور اس کی تحقیق کوئی آسان کام نہیں اس حوالے سے آگے تفصیل مذکور ہو گی،وہ تحقیق میں قصداً سستی وا پرواہی سے کام لے گا،بغیر تحقیق کے مسئلہ بیان کرنے کی وجہ سے ضرور گنہگار ہو گا۔ اسی طرح جو مفتی ناقل بھی نہ ہو عالم معتمد ہو اس کا نازک مسائل کی تحقیق میں خود سے کوئی حکم لگانا کیونکر جائز ہو جائے گا جب کہ وہ امر فتوے سے تعلق رکھتا ہو، لہٰذا اس حوالہ سے سے کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیے۔

## اجتہاد و تقلید کی حقیقت واضح کرنے والا ایک بصیرت افروز مضمون

اجتہاد و تقلید اور مجتہد و غیر مجتہد مفتی و عالم کا دائرہ کار سمجھنے کے لئے موضوع

کی مناسبت سے امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بصیرت افروز مضمون پیش کیا جاتا ہے، ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی لَاسِیَّمَا عَلٰی ھٰذَا النَّبِیِّ الْمُجْتَبٰی وَالْحَبِیْبِ الْمُرْتَجٰی وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَھْلِ التُّقٰی وَالنُّقٰی وَعُلَمَاءِ اُمَّتِہٖ وَمُجْتَھِدِیْ مِلَّتِہٖ وَالْمُقَلِّدِیْنَ لَھُمْ بِاِحْسَانٍ دَائِمًا اَبَدًا

حضرت حق تبارک و تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ و نعمت شاملہ سے اپنی نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم پر قرآن عظیم و ذکر حکیم نازل فرمایا تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے مگر اس کے ہر ظاہر کے لئے باطن ہے اور ہر باطن کے لیے ایک اہل

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (1)

کہاوتیں کہی تو سب کے لیے ہیں پر ان کی سمجھ انہیں کو ہے جو علم والے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا (2)

اس خبرت سے سوال ضرور ہے ہر فہم قاصر اس کے ادراک سے معذور ہے

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (3)

ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں خبر نہ ہو۔

---

1 ......پ ۲۰، سورۃ العنکبوت: ۴۳.

2 ......پ ۱۹، سورۃ الفرقان: ۵۹.

3 ......پ ۱۷، سورۃ الانبیاء: ۷.

وَكُلُّ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ (قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن مردوں کے فہم ان تک پہنچنے سے قاصر ہیں)

اگر قرآن عزیز کو سب سمجھ لیتے تو وہ تو تفصیل لکل شیٔ ہے۔ حدیث بھی محض مہمل وبیکار رہ جاتی، اسے لیے ارشاد فرماتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

”لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَاْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِيْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ مَا وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ“ نہ پاؤں میں تم میں کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے کہ آئے اس کے پاس میرا کوئی حکم جو میں نے کرنے کو کہا ہے یا نہ کرنے کو تو بولے میں نہیں جانتا ہم نے جو خدا کی کتاب میں پایا اس کی پیروی کی۔ رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجۃ والبیھقی فی دلائل النبوۃ عن ابی رافع رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

اور فرماتے ہیں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

”اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ“ سن لو میں دیا گیا قرآن اور اس کا مثل یعنی حدیث۔ الحدیث اخرجہ الدارمی وابوداؤد وابن ماجۃ عن المقدام بن معدیکرب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”اِنَّهٗ سَيَاْتِيْ نَاسٌ يُجَادِلُوْنَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْاٰنِ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ“ رواہ الدارمی عن عمر بن الاشجع

اے عزیز! اسی گمراہی کی شامت ہے کہ وہ پیٹ بھرا بے فکرا اپنی مسند پر تکیہ

لگائے بیٹھا ہے جب اسے یہ حدیث پہونچے تو کہتا ہے ہم یہ حکم قرآن میں نہیں پاتے قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

جان اے برادر! ایسا ہی ہوتا تو عِیاذًا بِاللّٰہِ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد "مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" جو تمہیں رسول دے وہ لو اور جس سے منع کرے باز رہو۔" محض لغو تھا لہٰذا حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے قرآن کے مجملات کی تقریر، مشکلات کی تفسیر، محتملات کی تعیین، مبہمات کی تبیین، مطویات کا اظہار، مخفیات کا اسفار فرمایا اور وجہ شریعت غراوبیضا سے نقاب وحجاب کو اٹھایا فصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ الہ قدر جاھه وجلالہ وفضلہ وکمالہ

یہاں تک تو صحابہ کرام وفحول مجتہدین کی تسکین ہوئی کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا نہ فرماتے تو ان ارکین ملت واساطین شریعت کا ذہن ثاقب وفکر صائب بھی دامن ادراک سے کوتاہ دست رہ جاتا اس لیے ارشاد ہوا

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یہ نبی انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتاب عزیز خود سمجھ میں آسکتی تو تعلیم کی کیا حاجت تھی مگر ابھی احادیث کی غیر فقہاء صحابہ کرام کے حق میں وہی کیفیت تھی جو قرآن عظیم کی صحابہ وفقہاء کے سامنے لہٰذا سیدنا سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اجلہ ائمہ محدثین وشیوخ بخاری ومسلم سے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلْحَدِیْثُ مُضِلَّةٌ اِلَّا لِلْفُقَهَاءِ" حدیث گمراہ کر دینے والی ہے مگر مجتہدوں کو۔

امام عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلسُّنَّةُ الْمُتَقَدِّمَةُ مِنْ سُنَّةِ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ خَیْرٌ مِنَ الْحَدِیْثِ" اہل مدینہ کی سنت کی قدیم روش حدیث سے بہتر ہے۔

سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلْعَمَلُ اَثْبَتُ مِنَ الْاَحَادِیْثِ"

تابعین میں کچھ لوگوں کو ان کے خلاف پر حدیثیں پہونچیں تو فرماتے:

"مَا نَجْهَلُ هٰذَا وَلٰكِنْ مَضَی الْعَمَلُ عَلٰی غَیْرِهٖ" ہمیں یہ حدیثیں معلوم ہیں مگر عمل تو ان کے خلاف پر ہو چکا ہے۔

محمد بن ابی بکر بن جریر سے جب ان کے بھائی کہتے

"لِمَ لَمْ تَقْضِ بِحَدِیْثِ كَذَا" تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم دیا؟ جواب دیتے "لَمْ اَجِدِ النَّاسَ عَلَیْهِ" میں نے لوگوں کو اس پر نہ پایا۔ کل ذلک نقلہ الامام العلامہ ابن الحاج فی مُدخلہ۔

لاجرم تقلید کی ضرورت ہوئی اور اس کے وجوب میں کسی طرح کا کلام نہ رہا اور کیونکر نہ ہو گی حالانکہ ہر شخص نہ جمیع ادلۂ شرع و حفظ آیات و احادیث و احکام و غور کامل و فحص بالغ و تامل صادق مراعات وجہ ترجیح و تطبیق و دفع تعارض و تمیز ناسخ و منسوخ و علم اقسام نظم و معنی و مواضع اجماع و انواع حدیث و نقد رجال و ادراک مورد و مقتضی واسباب نزول و طرق تعلیل سے متصف نہ اس پر غیر مجتہد کو قدرت

میسر، پھر کیا یہ مرضی ہے کہ ان مدہوشوں کی طرح ہر جاہل بے تمیز خرِ بے لجام و شترِ بے مہار کر دیا جائے۔

اے عزیزو! تم کیا اور تمہاری بساط کتنی بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے "فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً" کے معنی پانی حقیقۃً نہ پانا سمجھ کر ایک زخمی کو تیمم کی اجازت نہ دی، وہ نہایا اور انتقال فرمایا، حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی ارشاد فرمایا" قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَا سَأَلُوْا اِذَا لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ "انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اللہ انہیں قتل کرے کیوں نہ پوچھا جب نہ جانتے تھے کہ تھکنے کی دوا تو پوچھنا ہی ہے۔رواہ ابو داود عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

اَلْعَظْمَةُ لِلّٰهِ ایک سفیہ جاہل کہے کہ خدا رسول کا کلام سمجھنا کچھ مشکل نہیں نہ اس کے لیے بڑا علم چاہیے کہ قرآن تو ان پڑھوں کے سمجھانے کو اترا ہے، اے غافلو! اگر یہی مانتے ہو تو کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیدنا عبد اللہ بن عباس و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے تعلیم کتاب کی دعا مانگنا کما رواہ البخاری والامام احمد محض عبث و استحصال حاصل و شبیہ بالہزل تھا، نہیں نہیں جبراً ماننا پڑے گا کہ بے شک خدا اور رسول کا کلام سمجھنا سخت دشوار ہے اور بے شک اس کے لیے علم غزیر و سامان کثیر درکار ہے، لہٰذا حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی رحمت عامہ و رافت تامہ نے کہ اس امت مرحومہ کے حال پر روز ازل سے بانہایت وفور متوجہ ہے، ان اکابر دین و عمائد یقین کو توفیق بخشی کہ شریعت مطہرہ

کی ہر گتھی کو بیان اور ہر مشکل کو آسان کر دیا، حکم احکم "فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارْ" کا بار ثقیل اپنے دوش ہمت پر اٹھایا فجزاھم اللّٰہ عن الاسلام خیرا الجزاء وھنّاھم بکل سرور یوم الرؤیۃ واللقاء امین

اب جس طرح حضور پر نور نبوت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی حدیث عیاذاً باللہ کچھ قرآن سے جدا نہ تھی بلکہ اسی کے منونات و خبیات کو منصۂ ظہور میں لانے والی تھی اسی لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ" فرمانا صحیح و مقبول ٹھہرا اسی طرح ان آبائی امت خدام شریعت مظاہر علیہ "اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزَلَۃِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُکُمْ" کے ارشادات بھی مظہر احکام خدا و رسول ہیں نہ مثبت وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی تو ان میں سے کسی پر طعن کرنا بعینہ قرآن و حدیث پر حرف رکھنا ہے علی الخصوص حضرات مطہرۂ ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کہ انہیں جو حسن قبول و تلقی امت بالا قتدا سے بہرۂ وافی ملا وہ ان پر ایک خاص فضل الٰہی تھا یہاں تک کہ صدہا سال سے فرقۂ ناجیہ اہل سنت انہیں کے اتباع میں منحصر اور انہیں کے اتباع پر مقتصر ہے کما اثر العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر محروم اور سخت محروم ملوم اور پورا ملوم و بے برکت بے سعادت خودی پسند بے قید و بند جو ان حضرات میں سے کسی پر معاذ اللہ بحکم عناد و طینت فسادادنی تشنیع کر کے اپنی زبان کو آلودۂ ہزار خباثت کرے یہ سب ائمہ رشد وہدی ہیں اور ان سب کے پیرو سالکان راہ خدا جَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرًا الْجَزَاءِ علماء دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات ائمہ مجتہدین اَمَاتَنَا اللّٰہُ عَلٰی حُبِّھِمْ وَاتِّبَاعِھِمْ

بِالْیَقِیْنِ تمام اولیاء باقیین سے افضل واکمل ہیں قَالَ سِیِّدِیْ عَبْدُالْوَھَّابُ الشَّعْرَانِیُّ رحمہ اللّٰہ تعالٰی فَاِعْتِقَادُنَا اَنَّ اَکَابِرَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَالْاَئِمَّۃِ الْمُجْتَھِدِیْنَ کَانَ مَقَامُھُمْ اَکْبَرُ مِنْ مَقَامِ بَاقِی الْاَوْلِیَاءِ بِیَقِیْنٍ پھر ان سے عداوت ملک جبار قہار جل جلالہ سے لڑائی باندھنا ہے قال ربنا تبارک و تعالٰی فیما یروی عنہ نبیہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ رواہ البخاری جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا میں اس سے لڑائی کا اعلان کردوں گا۔ اُف رے ہمت اُن لوگوں کی اور بل بے جگرے اُن بہادروں کے جو خدا سے خم ٹھوک کر لڑنے کو تیار ہیں رَبَّنَا نَسْأَلُکَ حُسْنَ الْاَدَبِ مَعَ جَمِیْعِ اَوْلِیَائِکَ اٰمین اللّٰہ تعالٰی اس کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزاء خیر کرامت فرمائے کہ انہوں نے دشمنان دین کی سرکوبی فرماکر قلوب مؤمنین کو شفا اور صدور منکرین کو زیادت غیظ و شقا بخشی فَرَحِمَ اللّٰہُ مَنْ شَفٰی وَاسْتَشْفٰی وَاَغْنٰی وَکَفٰی وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ قَالَہٗ بِفَمِہٖ وَرَقَمَہٗ بِقَلَمِہٖ عَبْدُہُ الْمُعْتَاقُ اِلَیْہِ الْمُتَوَکِّلُ عَلَیْہِ عَبْدُ الْمُصْطَفٰی اَحْمَدُ رَضَا الْمُحَمَّدِیُّ السُّنِّیُّ الْحَنَفِیُّ الْقَادِرِیُّ الْبَرَکَاتِیُّ الْبَرِیْلَوِی اَصْلَحَ اللّٰہُ اَحْوَالَہٗ وَجَعَلَ اِلٰی خَیْرٍ مَآلِہٖ وَبِمِثْلِہٖ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَۃٍ اٰمین ثم اٰمین بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ احمد رضا خان ولد مولوی نقی علیہ خان ع ۱۲۸۹۔[1]

اب تک کے کلام سے مفتی کو کیسا ہونا چاہئے اس تعلق سے بطور نتیجہ دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

---

1 ------فتح المبین تنبیہ الوہابیین، ص ۵۲۴ تا ۵۲۸۔

(1)......... فکر میں شریعت کی رعایت رکھنے والا ہو۔

(2)......... فکرِ عمیق سے فقہی مہارت حاصل کرنے والا ہو۔

اب دونوں امور سے متعلق ترتیب کے ساتھ قدرے ضروری وضاحت پیش خدمت ہے

## (1) فکر میں شریعت کی رعایت واجب ہے

عقل کی حقیقت سمجھنے میں غلطی واقع ہو جائے اور فکر میں شریعت کی رعایت نہ کی جائے تو اچھے سے اچھے رہنما اصول بھی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ پڑھنے اور مشق کرنے والوں کی غلط فہم اور فہم و فکر کے بے جا استعمال سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے۔

امام اہلسنت، مجدد دین و ملت، خاتمۃ المحققین شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں:

فقہ اثباتِ شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا۔[1]

معلوم ہوا کہ عقل کو حاکم نہیں بنانا بلکہ اسے اس کی حد تک محدود رکھنا ضروری ہے اور عقلِ نادان کی نادانی کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور مسلسل مشق و مشاورت سے عقل کو کامل کرنے اور فکری و نظریاتی لحاظ سے پختگی حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ اپنی عقل کا بے جا دخل دیتے ہوئے شکوک و اوہام کی پیروی کرنے سے کبھی علوم شرعیہ میں مہارت حاصل نہ ہو سکے گی بلکہ اس طرح اپنی لگام ڈھیلی کرنے والا

1 ......فتاوی الرضویہ، ج٢٨، ص٥٤٦، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

فرد سرکشی میں مبتلا ہو کر دیانت وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔

فکر میں شریعت کی رعایت واجب ہے اور عقل سے احتیاط کے ساتھ کام لینا اور اسے بے جا دخل اندازی سے باز رکھنا دونوں باتیں ضروری ہیں۔اس حوالہ سے انتہائی اہم اور جامع مضمون امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد رئیس المتکلمین شاہ نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سورۂ الم نشرح کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے، ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

فکر میں شریعت کی رعایت واجب ہے۔ جس بات میں فکر کرنے کی شریعت اجازت دے اس میں فکر کرے اور جس میں فکر کرنے سے منع فرمادے اس سے باز رہے اور عقل کو حاکم مستقل سمجھ کر خدا کے کام میں دخل نہ دے کہ وہ مخلوق ہے اور مخلوق کو خالق کے معاملہ میں دخل دینا بیجا ہے۔

ف: اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ جبکہ دنیا کے بادشاہ اور حاکم کے حکم میں دخل دینا حماقت سے شمار کیا جاتا ہے، بادشاہ حقیقی اور حاکم مطلق کے حکم میں دخل دینا اور منقول کو عقل کا تابع سمجھنا اور جو بات سمجھ میں نہ آوے اس میں تاویل کرنا کس درجہ مذموم ہوگا۔

اے عزیز! ہمارا تمہارا کیا ذکر ہے نفوس قدسیہ اور عقول کاملہ بھی کہ ظلمات ہیولانیہ اور کدورات جسمانیہ سے پاک اور منزہ ہیں، کارِ دین اور مرتبہ حق الیقین میں مستقل نہیں، ان کا علم تعلیم شارع اور ان کی معرفت، تعریف پیمبر میں منحصر ہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ آنکھ بند کرے اور کان لگا کر سنے کہ کیا حکم آتا ہے اور

کیاارشاد ہوتا ہے یہاں کان کافی ہیں اس لئے ان کو آنکھ سے بہتر کہتے ہیں۔

ع:

تاگہر وصف تراشد صدف سامعہ بر باصرہ دارد شرف

اگر عقل معرفت اسرار غیب اور اصلاح معاش و معاد میں کافی ہوتی نبی کیوں آتے اور تمام عقلاء ادنی چیزوں کی خاصیت کے سبب اعلی کے ادراک سے عاجز کیوں رہتے اور جذب کہربا اور اسہال سمقونیا کی وجہ میں کیوں معترف بنادانی ہوتے ۔اسی طرح سب امور میں اپنے عجز و قصور پر معترف ہوں یا کوئی دلیل رسول کی طرف سے بیان کریں۔

امام قشیری اور خواجہ ابو القاسم فرماتے ہیں: جو شخص اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے جہل مرکب میں گرفتار ہوتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا اور آپ کو دانا سمجھتا ہے بادام سے واقف ہونا یہ ہے کہ مغز سے واقف ہو، اور ہر بات کے مغز سے واقف ہونا سخت دشوار ہے۔ بے دیکھے اور کھائے پوست کے دیکھنے سے حقیقت اس کی ظاہر نہیں ہوتی۔ ظاہر اور قریب ترین اشیاء آدمی سے صرف ہستی اس کی ہے اور نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ بھلا جس عقل کو حاکم سمجھتا ہے اسی کی حقیقت بتا کہ وہ کیا ہے جب تیری عقل اپنی حقیقت کو نہیں جانتی تو اوروں کی حقیقت میں اس پر اعتماد کرنا محض بیجا ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ عقل سے تعمیل حکم کا طریق دریافت کرے کہ کس طرح اور کس آداب سے بجالاؤں، نہ یہ کہ کیوں حکم دیا اور کس لئے اس پر عمل کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم تحویل

قبلہ باوجود اس کے عقل میں نہیں آتا کس عجلت کے ساتھ قبول کیا کہ نماز ہی میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ شیطان نے حکم الٰہی میں عقل کو دخل دیا کہ وہ خاک اور میں آگ سے پیدا ہوا، اس کے سامنے کس لئے سر جھکاؤں، قہر الٰہی میں مبتلا اور تمام خلق سے بدتر ہو گیا۔ حقیقت میں عقل خادم شرع ہے نہ مدار منقول کما یظنہ المجہول۔

علماء جو منقول میں تصرف و تاویل اور اس کی معقول تطبیق کرتے ہیں معقول صرف سے تطبیق نہیں کرتے بلکہ اس سے کہ قوانین شرع سے معقول ہے۔ ہر اس امر کو کہ عقل میں نہ آوے تسلیم نہ کرنا عقل کو دوسرا حاکم ٹھہرانا اور حکم شرع کو اس پر پیش کرنا گویا بادشاہ کے حکم کو بے منظوری اس کے چوبدار کے ناقص و ناتمام سمجھتا ہے۔ وللہ در من قال

ع:

مصطفی اندرمیاں انگہ دسی ریہ بعقل

آفتاب اندر جہاں انگہ کسے جوید شہا

عقل کیا چیز ہے کہ حکم الٰہی سے معارض ہو سکے، بندہ مالک سے اور ذرہ آفتاب سے اور قطرہ دریا سے اور محکوم حاکم سے مقابلہ نہیں کر سکتا اور جو یہ مشہور ہے کہ نبی کا صدق معجزات میں نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ کام عقل کا ہے پس عقل دین کی اصل ہے، محض غلط ہے۔ بلکہ نبی کی تصدیق خدائے تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے حاصل ہوتی ہے نہ نظر و فکر سے۔ اگر نظر و فکر پر مدار ہوتا عقلاء عالم میں سے کوئی

شخص کا فرنہ ہوتا۔

نور نبوت کجا اور عقل بشر کجا

نبوت سب چیز کو ثابت کرتی ہے، عقل کیا چیز ہے کہ نبوت کو ثابت کرے۔ یہ کلام مشہور ہو گیا ہے مگر پیرایۂ تحقیق سے معرا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں اثبات واجب حالانکہ واجب مثبت ہے ہر شئے کا ہے۔

اگر تو کہے حدیث میں آیا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ پس مدار کار عقل پر ہے اور خطاب و عتاب اس سے متعلق ہے عقل کو کہ سبب علم ہے اہلسنت کے مذہب میں معزول و معطل سمجھنا جہالت وضلالت ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں عقل اول اور روح اعظم سے قلم اعلیٰ اور اہل کشف کے نزدیک حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور روح اقدس اس جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم قدس میں مربی ارواح تھی اور جو ہر بدن سے متعلق ہو کر تکمیل وارشاد خلق کا سبب ہوئی، مراد ہے اور وہ جو نقل کرتے ہیں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ مؤید اس معنی کا ہے۔ پس عقول جزئیہ کہ متعلق بابدانِ انسانیہ ہیں۔ اس عالم اور اس عالم میں اسے عقل کل اور عقل اول اور روح اعظم سے فیض حاصل کرتے ہیں اور اسی کے پرتو سے روشن ہیں۔ جیسے آنکھیں آفتاب اور ماہتاب سے کہ جب وہ نکلتے ہیں یہ دیکھتی ہیں۔ تابع متبوع سے اور عکس اصل سے کب معارض ہو سکتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں آدمی جن کو ارسطوئے زماں اور افلاطون وقت کہتے نور نبوت کے معارضہ سے عاجز ہوئے اور باوجود اس حمیت

وعداوت کئے کہ اپنے مذہب قدیم کا تنزل اور دین اسلام کی ترقی روز افزاں دیکھ کر جان سے بیزار تھے کوئی قاعدہ ایسا کیوں نہ نکالا جو ان کے باپ دادا کے دین کا تنزل اور اسلام کی ترقی کو مانع ہوتا؟ اور جنہوں نے یہ ہوس کی ہے ان کا مدعا کیوں نہ حاصل ہوا۔

تنبیہ: ہماری اس تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ عقل محض بیکار اور امر دین معزول ہے بلکہ عقل مانندِ بصر اور چراغ کے اور شرع مانندِ شعاع اور روغن کے ہے، ایک بے دوسرے کے کام نہیں آتا۔ عقل کی بڑائی اور بزرگی میں کسے کلام ہے کہ قواعد معاش و معاد اور نظر و فکر خلق و نفس میں بلکہ معرفت واجب کہ عمدہ مقاصد و مطالب ہے. تعلیم صاحب شرع اس سے متعلق ہے اور مہم شرع اور دفع تعارض میں اس کو مداخلتِ کاملہ ہے بلکہ مہم شرعیات بے اس کے محال اور عمل بے فہم کے بے فائدہ، پس اس اعتبار سے عقل کو علم و عمل کا مدار بھی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلم الثبوت اور نور الانوار شرح منار اور احیاء العلوم وغیرہ کتب معتبرہ میں اس مضمون کی طرف اشارہ واقع ہے، بلکہ کلام اس بات میں ہے کہ عقل کو شرع پر ترجیح اور اس کے حکم میں دم مارنے کی مجال اور امر دین میں استقلال نہیں، جو بتادیا جانتی ہے اور جو نہیں بتایا دریافت نہیں کر سکتی۔ سینکڑوں باتیں مانند مسئلہ جبر واختیار و تاویل آیات متشابہات و حقیقت روح و مدت بقائے عالم و وقت قیام قیامت و حکمت عدد موکلان دوزخ اور اکثر حقائق و اسرار شریعت و طریقت اور احوال برزخ و آخرت عقل میں نہیں آتیں، بایں معنی کہ عقل کو ان

کے ادراک کی قدرت نہیں دی گئی نہ یہ کہ عقل ان کے بطلان کا حکم کرتی ہے، ایسی جگہ عقل کا کام یہ نہیں کہ ان کی حقیقت میں خوض کرے اور ان کے سر اور بھید کی فکر میں پڑے کہ طلب محال ہے بلکہ کا اس کا یہ ہے کہ جو ارشاد ہوا اس پر یقین لاوے اور علت وسبب کے دریافت کرنے سے بات اٹھاوے۔

ف: الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ[1]

رَاسِخُ فِی الْعِلْمِ سے بھی کَامِلُ فِی الْعَقْلِ مراد لے سکتے ہیں لیکن لفظ اُولو الالباب سے تو خوب تصریح ہوگئی کہ ایسی جگہ عقل کا کام تسلیم کرنا اور اس کی تحقیق وتوضیح سے آپ کو عاجز جاننا ہے، جس احمق نے اس قسم کی باتوں میں خوض کیا یا سفسطہ میں پڑا اور اور توسیط اسباب بلکہ تمام کارخانہ حکمت سے اور یا جب حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آئے اور سبب اور غایت اور فائدہ ان کا دریافت نہ ہو الحاد وزندقہ میں مبتلا اور ان کی اصلیت سے منکر ہو گیا، بعضے تمام موجودات کو قبضہ قدرت میں مجبور دیکھ کر سزائے عمل اور بعض دلائلِ عذاب پر نظر کر کے تقدیر ازل سے منکر ہوئے۔

ع: ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

ان نادانوں کی وہی نقل ہے کہ چھوٹا مونہہ بڑی بات، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر افعال خضر علیہ السلام اور اقوال چوپان کی حقیقت کو نہ

---

1 ------پ۳، سورۃ ال عمران: ۷۔

پہنچے، ہر شخص خدا کے افعال اور احکام کی حقیقت کس طرح دریافت کر سکے جو میوہ کہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ڈالا گیا مزا اس کا زکریا علیہ السلام کی زبان تک نہ پہنچا، سب علم کسی کو حاصل نہیں ہوتا کیا تو نے سنا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (1)

رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (2)

اگر حالت منتظرہ باقی نہ ہوتی طلب زیادت طلب محال تھی الوہیت ونبوت کے دلائل کو دیکھ اور خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین حاصل کر، جب یہ یقین حاصل ہو گا کوئی شبہ اور وسوسہ تیرے پاس نہ آئے گا اس لئے کہ جو کچھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کی طرف سے پہنچایا بندہ پر اس کی تصدیق اور تعمیل واجب ہے نہ اس کی علت اور غایت ڈھونڈنا۔

تنبیہ: اس تقریر سے یہ غرض نہیں کہ کسی شئے کے سبب وعلت سے کام نہ رکھے اور اس کی حقیقت وماہیت کے ادراک میں خوض نہ کرے کہ یہ تو عمدہ طریق معرفت کا ہے، پروردگار کے کمال قدرت وحکمت پر یقین بخشتا ہے اور اس کی بہت صفتوں پر دلالت کرتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ

---

(1) ......پ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل: ۸۵۔

(2) ......پ۱٦، سورۃ طٰه: ۱۱٤۔

بلکہ اسباب کی نفی سے تو حکمت الٰہی کا انکار لازم آتا ہے اور اسباب کا پیدا کرنا لغو ٹھہرتا ہے۔

ف: سُبْحَانَكَ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا جس طرح اس کے کمال قدرت پر یقین واجب ہے اسی طرح اس کی کمال حکمت پر اعتقاد ضرور ہے ہر چند کہ وہ فاعل مختار ہے مگر توسیط اسباب و علل اس کی حکمت کا مقتضا ہے، اکثر اشیاء کو علل واسباب پر موقوف رکھا اگرچہ تیری سمجھ میں نہ آویں، یہ کیا ضرور ہے کہ جو بات تیری سمجھ میں نہ آوے حقیقت میں بھی نہ ہو۔ بہت صنعتیں دنیا میں ایسی ہیں کہ تو ان کو نہیں جانتا اور صانع بھی بے اس بات کے کہ تو مدت تک اس کی شاگردی کرے اور ان کو شروع سے قاعدہ تعلیم کے موافق سیکھے ہرگز نہیں بتلا سکتا اور بہت سے محسوسات اس قسم کے ہیں کہ ان کی پیدائش کا فائدہ تجھے کسی طرح دریافت نہیں ہو سکتا باایں ہمہ ان کے وجود سے انکار نہیں کرتا اور شریعت کے جس حکم کی حقیقت اور وجہ معلوم نہیں ہوتی اس سے منکر ہوتا ہے بلکہ ضرور ہے کہ خدا کے سب بھید تیری سمجھ میں نہ آویں اس لئے کہ اگر بندہ ہر چیز کی حقیقت اور علل واسباب وفوائد وغایات سے واقف ہو جائے تو علم الٰہی سے مساوات لازم آئے سوا اس کے ان کے پوشیدہ رکھنے میں ایک بھید یہ ہے کہ جب آدمی شہادت عقل سے قطع نظر کر کے خدا کا حکم خدا کے واسطے مانتا ہے اس کی فرماں برداری اور بندگی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ مذمومات عقلیہ اور منافرت طبعیہ سے تو ہر شخص بچنا چاہتا ہے اسی فائدہ کیلئے آدم علیہ السلام کو گیہوں یا ترنج یا انجیر کھانے سے منع فرمایا اور یہی سبب ہے کہ اکثر احکام جیسے رمی

جمار اور مسح سر کے بھید خلق سے پوشیدہ رکھے تاکہ معلوم ہو کون بے تامل مانتا ہے اور کون تکرار کرتا ہے۔

**نصیحت:** عقلمند کو چاہئے کہ ان باتوں میں جن کو عقل اس کی دریافت کر سکتی ہے بقدر اقتضائے وقت تفکر کرے اور جو اس کی عقل سے وراہیں ان میں عقل کو دخل نہ دے اپنے کام سے کام رکھے اس لئے کہ جو شخص خوان نعمت پائے اور اسی خیال میں رہے کہ یہ خوان کہاں سے آیا، کون لایا، یہ کھانا کیسا ہے، میرے پاس کیوں آیا ہے، سیر کردے گا یا نہیں یہاں تک کہ اور لوگ کھا جاویں اور وہ مونہہ دیکھتا رہ جائے، اس سے زیادہ احمق کون ہے؟ اس فکر سے بے فکری اور نادانی بہتر ہے۔

اسی واسطے ارشاد ہوتا ہے کہ اکثر بہشتی بھولے ہیں۔ جو شخص ہر شئے کی ماہیت اور حقیقت اور مادہ و صورت و غرض و غایت کی تفتیش میں رہتا ہے مسبب الاسباب سے غافل اور جس شئے کی حقیقت یا علت و غایت سمجھ میں نہیں آتی اس کے وجود سے منکر ہو جاتا ہے اور جو اپنی عقل پر اعتماد کر کے فکر میں شرع کی رعایت نہیں کرتا زندقہ اور سفسطہ اور تشبیہ اور تعطیل میں مبتلا ہوتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفِظْنَا مِنْ ظُلُمَاتِ الْهَوٰى وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَ النَّبِيِّ الْمُجْتَبٰى [1]

اس مضمون کا حاصل چند نکات کی صورت میں یہ ہے کہ

(1)...... عقلمند کو چاہئے کہ ان باتوں میں جن کو عقل اس کی دریافت کر سکتی ہے بقدر اقتضائے وقت تفکر کرے اور جو اس کی عقل سے وَراہیں ان میں عقل کو

---

1 ......انوار جمال مصطفی، ص۳۹۳.

دخل نہ دے اپنے کام سے کام رکھے۔

(2)...... عقل چونکہ خادمِ شرع ہے اس لئے جن امور میں عقل کا دخل نہیں ان کے بارے میں عقل کا یہ کام ہے کہ آنکھ بند کرے اور کان لگا کر سنے کہ کیا حکم آتا ہے اور کیا ارشاد ہوتا ہے؟

(3)...... پھر جن میں عقل کا دخل ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ہر شخص کو دخل اندازی کی کھلی اجازت ہے بلکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (1) ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

اس کے تحت جو جتنا جانتا اور سمجھتا ہے صرف اس حد تک محدود رہے حد سے نہ بڑھے۔ جو بات باوجود کوشش کے وہ نہیں سمجھ سکتا تو ٹھہر جائے اور جو سمجھا ہوا ہے اس سے پوچھ کر عمل کرے اسی بات کا حکم قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں دیا گیا ہے کہ

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (2) ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

(4)...... نااہل ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کسی کام کا اہل سمجھنا اور اس میں دخل اندازی کرنا حماقت ہے جس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا اور دینی امور میں بے سمجھے

---

1 ------پ۱۲، سورة يوسف:۷٦.

2 ------پ۱٤، سورة النحل:٤٣.

دخل اندازی اور کچھ کہنا حرام وناجائز ہے۔ایسے کے لئے حکم شریعت یہ ہے کہ جو جانتے ہیں ان کی طرف معاملہ کو سپرد کردے اپنی لگام ڈھیلی کرکے سرکشی نہ کرے۔

(5)......جو ہر معاملہ کی ٹوہ میں پڑتا ہے اور جو اس کی عقل میں آئے وہی مانتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جو اس کی نادان عقل میں نہ آئے گا تو اس کا انکار کر بیٹھے گا حالانکہ اسے من وعن تسلیم کرنا ضروری تھا تو یوں ہلاک ہو جائے گا تو ایسا شخص بغیر علم کے فتوی دینے کے بارے میں وعیدوں کو ہر حال میں پیش نظر رکھے۔

(6)......اللہ تعالی کے اسماء وافعال اور صفات کے بارے میں غور خوض کرنا،اس کے احکام کی علتوں اور حکمتوں کی تلاش میں منہمک رہنا اس لئے تاکہ اطمینان ویقین میں اضافہ ہو مذموم نہیں بلکہ شریعت کو مطلوب ہے۔اس سے معرفت باری تعالی میں اضافہ ہوتا ہے جو مومن کی منزل مقصود ہے۔

(7)......اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مبارک اقوال و افعال میں غور کرنا اور انہیں سمجھنا اور فقہائے ملت کے کلام میں غور و خوض کرنا اور مزاج شریعت اور مقاصد شریعت سے آگاہی حاصل کرنا بھی امت کی صحیح طور پر شرعی رہنمائی کے لئے بے حد ضروری ہے۔

(8)......فکر میں شریعت کی رعایت نہ رکھنا اور ہر معاملہ کی کھوج میں پڑنا گمراہی کا پھاٹک ہے۔

اس نفیس تحقیق کو بار بار پڑھ کر ذہن نشین کرلیجئے اتنی تکرار کیجئے کہ نفس ان باتوں کا صحیح طور پر پابند ہو جائے اور سرکشی جو اس کی طبیعت میں ہے وہ جاتی

رہے۔

## (2) فقہی مہارت کے تین اصول

چونکہ مفتی کے لئے فقہی مہارت ضروری ہے اور فقہ میں مہارت کے تین بنیادی اصول ہیں اس لئے ضروری وضاحت کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ انہیں بغور سمجھ کر ذہن نشین رکھا جائے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے فقہی کتب کا مطالعہ اور تحقیقات کی مشق کی جائے تو فقہی بصیرت میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔

(1)......... کثرتِ مراجعت۔

(2)......... تتبع عباراتِ فقہاء۔

(3)......... علم فقہ کے ماہرین سے اس کی تحصیل۔

یہ اصول علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "رد المحتار" میں "بحر" کے حوالے سے ذکر کئے ہیں۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاوی رضویہ میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

"اِنَّهُ لَا يَحْصُلُ اِلَّا بِكَثْرَةِ الْمُرَاجَعَةِ وَتَتَبُّعِ عِبَارَاتِهِمْ وَالْاَخْذِ عَنِ الْاَشْيَاخِ" [1]

## کثرت مراجعت کی اہمیت

عربی زبان میں کتب فقہ اور سینکڑوں ابواب کے تحت ہزاروں جزئیات کو پڑھنے سمجھنے کے لئے پہلا اصول کثرت مراجعت ہے، اس پہلے اصول پر عمل کرتے ہوئے مسلسل محنت کے ساتھ مطالعہ کرنے سے فقہی جزئیات پر کثیر

---

1 ...... رد المحتار علی در المختار، ج۲، ص۱۷۳، دار المعرفہ بیروت.

آگاہی حاصل ہوتی ہے جس سے فقاہت کا بیج پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کی دیکھ بھال، نشو نما کی جائے تو پروان چڑھ کر سر سبز و شاداب گھنا درخت بن جاتا ہے جس کے سائے سے دوسرے بھی مستفید ہوتے ہیں۔

یہاں مراجعت کی ایک خاص اور مفید صورت کی نشاندہی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فقہی کتابوں میں جو مسئلہ کسی کتاب کے حوالہ سے کسی فقیہ کی طرف نسبت کر کے نقل کیا جاتا ہے، اس مسئلہ کی تحقیق اصل کتاب کی مراجعت اور موجودہ کتاب کے متعدد نسخوں سے موازنہ کر کے اچھی طرح باریک بینی سے کرنی چاہئے۔ اگر منقول عنہ دستیاب نہیں تو مسئلہ کی صورت کے لحاظ سے دیگر دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض مسائل میں ثقہ و معتمد ناقل کی نقل پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے، مگر جب منقول عنہ دستیاب ہو تو اس کی طرف مراجعت ضرور کرنی چاہئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات منکشف ہو جائے جو نقل سے ظاہر نہیں ہوتی، مثلاً فقیہ ناقل کی غلطی نہیں ہے اصل کی مراجعت سے کاتب کی غلطی کا پتا چل جائے، یوں غلطی کی پیروی سے بچت ہو جاتی ہے، یا ناقل یا کاتب کسی کی غلطی نہ ہو تو کوئی نیا فائدہ یا نکتہ ہاتھ آجائے، یا ناقل معتمد کے وہم یا سبقت نظر وغیرہ کی وجہ سے پائی جانے والی کسی غلطی پر آگاہی ہو جائے، یا ناقل نے عبارت جس طور پر ملخص کی ہے اس سے تفہم میں خلل واقع ہو رہا ہو جو اصل مکمل عبارت ملاحظہ کرنے سے دور ہو جائے، الغرض یہ کام فائدہ سے خالی نہیں ہے اور مفتی کے لئے بسا اوقات ضروری بھی ہو جاتا ہے تو جو فقہ کا

طالب علم ہو اس کی فقہی بصیرت میں اضافہ کے لئے کس قدر ضروری ہو گا اس کا اندازہ خود ہی لگا لیجئے۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقاہت کے لئے جو ضروری امور بیان کئے ہیں ان میں ایک "سبر مراتب ناقلین" بھی ہے، یوں اصل کی مراجعت سے دیگر فوائد حاصل ہونے کے ساتھ ناقلین کے مراتب کی جانچ اور پہچان کی ایسی کنجی بھی ہاتھ آجاتی ہے جس سے بہت سے بند دروازے کھلتے ہیں۔ فتاوی رضویہ میں ہے:

"یَنْبَغِي مُرَاجَعَةُ النَّقْلِ عَنْهُ اِذَا وَجَدَ فَرُبَّمَا ظَهَرَ شَيْءٌ لَا يَظْهَرُ مِمَّا نَقَلَ وَاِنْ كَانَتِ النَّقَلَةُ ثِقَاتٌ مُعْتَمِدِيْنَ فَاحْفَظْ"(1)

صاحب بحر کے حوالہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح عقود میں فرماتے ہیں:

"قَدْ يَتَّفِقُ نَقْلُ قَوْلٍ فِيْ نَحْوِ عِشْرِيْنَ كِتَابًا مِنْ كُتُبِ الْمُتَاخِرِيْنَ وَيَكُوْنُ الْقَوْلُ خَطَاءً اَخْطَاءَ بِهٖ اَوَّلُ وَاضِعٍ لَهٗ فَيَاْتِيْ مِنْ بَعْدِهٖ وَيَنْقُلُهُ عَنْهُ وَهٰكَذَا يَنْقُلُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ"(2)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ "تَنْبِيْهُ الْوُلَاةِ وَالْحُكَّامِ" میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"يَقَعُ لِبَعْضِ الْعُلَمَاءِ مِنَ الْخَطَاءِ تَارَةً يَكُوْنُ مِنْ سَبَقِ الْقَلَمِ وَتَارَةً يَكُوْنُ مِنْ

---

(1) ------فتاوی الرضویہ، ج۱، ص۱۸۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(2) ------رسائل ابن عابدین، ج۱، ص۱۳۔

اِشْتِبَاہِ حُکْمٍ بِآخَرَ اَوْ نَحْوُ ذٰلِکَ وَ کُلُّ ذٰلِکَ لَا یَحُطُّ مِنْ مِقْدَارِ ھِمْ شَیْئاً اَوْ لَا یَلْزَمُ مِنْہُ عَدَمُ الثِّقَۃِ بِھِمْ قَطْعًا لِاَنَّہٗ لَا لَوْمَ عَلَیْھِمْ وَ الْغَالِبُ اَنَّ الْخطَاءَ یَکُوْنُ مِنْ وَاحِدٍ فَیَاْتِیْ مِنْ بَعْدِہٖ فَیُتَابِعُہٗ"[1]

## تتبع عبارات فقہاء کی اہمیت:

علاوہ ازیں پڑھنے والا کوئی بھی ہو ہر بات جو وہ پڑھے سنے اپنی عقل و فہم کے مطابق سمجھتا ہے، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والا مفہوم معتبر ہے یا غیر معتبر اس کی شناخت کیسے ہوگی؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ فقہاء کے کلمات کا ساتھ ساتھ تتبع کرتا جائے، ان کے انداز و اسلوب سے واقفیت پیدا کرے، کس لفظ کا وہ کیا مطلب لیتے ہیں اور کس معنی میں اسے استعمال کرتے ہیں مختلف مواقع پر نظر کرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کرے۔ اشارۃً اس حوالہ سے اتنا عرض کروں گا کہ "تَبْصِیْرُ الْمُنْجِد" میں امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لفظ "صحن" کا اطلاق کس حصہ پر ہوتا ہے، اس کی شرعاً و عرفاً تنقیح فرمائی ہے۔ "اَلصَّافِیَۃُ الْمُوْحِیَۃ" میں صدقہ کے اطلاقات اور ان کے مابین فرق کو خوب واضح کیا ہے۔ یونہی "اَلشَّمَائِمُ الْعَنْبَرْ" میں لفظ مسجد کے اطلاقات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ ان مقامات کو صحیح طور پر حل کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بہت سی غلط فہمیوں کا نہ صرف یہ کہ ازالہ ہو جائے گا بلکہ اس قسم کی تحقیق کا شوق بھی خوب پیدا ہوگا۔

اسی طرح بطور بحث کچھ ذکر کرنا اور جزم کے ساتھ اپنی تحقیق بیان کرتے

---

[1] ----- رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۶.

ہوئے فقہائے کرام کا کیا اسلوب ہوتا ہے؟ دونوں میں فرق پر نظر رکھے، کہاں معتمد دلائل پر تحقیق کی بنیاد ہے کہاں خطاء و وہم کی صورت ہے؟ معرکۃ الآراء مسائل میں ائمہ ترجیح کس طرح کن الفاظ کے ساتھ ایک کو راجح اور دوسرے کا مرجوح ہونا بیان کرتے ہیں اسے ذہن نشین کرتا جائے، یوں کثرت مراجعت اور کلمات فقہاء کے تتبع سے نہ صرف یہ کہ اپنی فقہی غلطیوں اور ان کے اسباب سے واقفیت ہوگی بلکہ طبیعت اخاذ اور فکر کا نقصان دور ہو کر رائے صائب ہوتی چلی جائے گی۔ قَلِیْلُ الْعِلْمِ وَالْفَھْم کو جس طرح ہر مسئلہ میں اختلاف و اضطراب اور الجھنیں دکھائی دیتی ہیں ان سے بھی چھٹکارا ملے گا، بشرطیکہ احتیاط کا دامن تھامے رہے اور شریعت کی لگام اپنے منہ میں رکھے اور سستی، کاہلی، خود سے کچھ پڑھے سمجھے بغیر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی بری عادت سے خود کو بچائے۔ یاد رہے کہ ان بری عادات کے ساتھ کار افتاء میں مہارت محض پریشان خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔ فقہی مہارت کے ان اصولوں میں ان بری عادات سے چھٹکارا بھی ہے اور انہی کے ذریعے اچھے اوصاف اور بری عادات والے طالب علموں کے درمیان امتیاز بھی ہو جاتا ہے۔

## اخذ عن الاشیاخ کی اہمیت

فقہاء کے طبقات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے کلام کا خوب تتبع کرنا، فقہی کتابوں اور مسائل کے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے کتب فقہ سے جواہر نکالنے کی کوشش میں اپنے کئے پر بے جا اعتماد اور غلطی سے بچنے کے لئے استاذ ماہر کی حاجت

ناگزیر ہے۔ایک بڑی وجہ استاذ ماہر کے ماتحت رہ کر مشق کرنے کی یہ بھی ہے کہ بعض اوقات فقہاء کرام قیدوالے مقام پر اطلاق سے کام لیتے ہیں اور وجہ حکم ہر جگہ بیان نہیں کرتے جس کی بناء پر ایک جیسے دکھائی دینے والے کثیر مسائل سے طالب علم دھوکہ کھاجاتا ہے حالانکہ ان کے مابین فرق موجود ہوتا ہے،اسی قسم کی بہت سی غلطیوں سے بچنے کے لئے قدم قدم پر استاذ ماہر کی حاجت اپنی جگہ مسلم ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "تَنْبِيْهُ الْوُلَاةِ وَالْحُكَّامِ عَلٰى اَحْكَامِ شَاتِمِ خَيْرِ الْاَنَامِ" میں فقہی کتابوں کے سمجھنے کے لئے استاذ ماہر اور روشن فکر کی ضرورت بیان کرنے کے لئے ایک سوال قائم کرکے خود ہی اس کا جواب مرتب کیا ہے، اس میں علامہ ابن غرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے فقہی کتب کو سمجھنے کے دو اصول بھی موجود ہیں جن کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو جلد مطلوب حاصل ہوتا ہے، ان کا کلام من عن ملاحظہ کیجئے۔

"فَاِنْ قُلْتَ: اِذَا كَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُفْتِيْ اَنْ يُفْتِيَ بِمُجَرَّدِ الْمُرَاجَعَةِ مِنْ كِتَابٍ وَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ الْكِتَابُ مَشْهُوْرًا قُلْتُ: نَعَمْ هُوَ كَذٰلِكَ شِعْر

لَا تَحْسِبِ الْفِقْهَ تَمْرًا اَنْتَ اٰكِلُهٗ لَنْ تَبْلُغَ الْفِقْهَ حَتّٰى تَلْعَقَ الصَّبِرَا

اِذْ لَوْ كَانَ الْفِقْهُ يَحْصُلُ بِمُجَرَّدِ الْقُدْرَةِ عَلٰى مُرَاجَعَةِ الْمَسْئَلَةِ مِنْ مَظَانِهَا لَكَانَ اَسْهَلُ شَيْءٍ وَلَمَا احْتَاجَ التَّفَقُّهُ عَلٰى اُسْتَاذٍ مَاهِرٍ وَفِكْرٍ ثَاقِبٍ بَاهِرٍ شعر

لَوْ كَانَ هٰذَا الْعِلْمُ يُدْرَكُ بِالتَّمَنِّيْ مَا كُنْتَ تَبْصُرُ فِي الْبَرِيَّةِ جَاهِلًا

فَكَثِيْرًا مَا تَذْكُرُ الْمَسْئَلَةَ فِيْ كِتَابٍ وَيَكُوْنُ مَا فِيْ كِتَابٍ اٰخَرَ هُوَ الصَّحِيْحُ اَوِ

الصَّوَابُ وَقَدْ تُطْلَقُ فِيْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ عَنْ بَعْضِ قُيُوْدِهَاوَ تُقَيَّدُ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَوَلِهٰذَا قَالَ الْعَلَّامَةُ ابْنُ نُجَيْمٍ فِيْ رِسَالَةِ الْفَسَاقِيْ فِيْ مَا نَصَّهُ وَمِنْ هُنَا يُعْلَمُ كَمَاقَالَ ابْنُ الْغَرَسِ رحمۃ اللّٰہ تعالی اِنَّ فَهْمَ الْمَسَائِلِ عَلٰی وَجْهِ التَّحْقِيْقِ يَحْتَاجُ اِلٰی مَعْرِفَةِ اَصْلَيْنِ اَحَدُهُمَااِنَّ اِطْلَاقَاتَ الْفُقَهَاءِ فِی الْغَالِبِ مُقَيَّدَة بِقُيُوْدٍ يَعْرِفُهَا صَاحِبُ الْفَهْمِ الْمُسْتَقِيْمِ الْمُمَارِسُ لِلْاُصُوْلِ وَالْفُرُوْعِ وَاِنَّمَا يَسْكُتُوْنَ عَنْهَا اِعْتِمَادًا عَلٰی صِحَةِ فَهْمِ الطَّالِبِ وَالثَّانِيْ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَائِلَ اِجْتِهَادِيَة مَعْقُوْلَةُ الْمَعْنٰی لَايُعْرَفُ الْحُكْمُ فِيْهَا عَلَی الْوَجْهِ التَّامِ اِلَّا بِمَعْرَفَةِ وَجْهِ الْحُكْمِ الَّذِیْ بَنٰی عَلَيْهِ وَتَفَرَّعَ عَنْهُ وَاِلَّا فَتَشْتَبِهُ الْمَسَائِلُ عَلَی الطَّالِبِ وَيَحَارُ ذِهْنُهُ فِيْهَا لِعَدَمِ مَعْرِفَةِ الْمَبْنِيِّ وَمَنْ اَهْمَلَ مَاذَكَرْنَاهُ حَارَ فِيْ الْخَطَاءِوَالْغَلَطِ انتهی"

ترجمہ: تو اگر تو کہے کہ جب معاملہ یوں دشوار ہے تو محض ایک کتاب پر اگرچہ مشہور ہو اکتفاء کرتے ہوئے مفتی کو فتوی دینا ممنوع و نامناسب ہے ؟

تو میں اس کے جواب میں کہوں گا: جی ہاں! حکم یہی ہے ایک شاعر نے کہا ہے کہ

تو فقہ کو چھوہارا گمان مت کر کہ اسے تو آرام سے کھا لے گا

تو علم فقہ حاصل نہیں کر سکتا جب تک صبر کو چاٹ نہ لے

(یعنی ہاتھوں پر لگی ہوئی چیز چاٹنے سے جس طرح ختم ہو جاتی ہے اس کا اثر بھی باقی نہیں رہتا یونہی صبر کی انتہاء کئے بغیر تجھے علم فقہ حاصل نہ ہو گا)

علم فقہ، اگر مسئلہ کتاب میں جس جگہ ہونا چاہئے وہاں سے تلاش کر کے نقل کر دینے سے حاصل ہو جاتا تو معاملہ آسان تھا لیکن جب فقہ میں مہارت کے لئے

ماہر استاذ کی صحبت میں رہ کر سیکھنا سمجھنااور روشن فکر دونوں باتوں کی ضرورت ہے تو معاملہ آسان نہیں) جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے

اگر یہ علم محض امیدوں سے حاصل ہوتا
تو تو مخلوق میں سے کسی کو جاہل نہ دیکھتا

تو بہت مرتبہ مسئلہ کسی ایک کتاب میں ذکر ہوتا ہے اور دوسری کتاب میں اس کے برعکس صحیح وصواب قول ہوتا ہے اور بعض اوقات ضروری قیود کے بغیر کہیں ذکر ہوتا ہے اور کسی دوسری جگہ اسے مقید کر دیا جاتا ہے، اسی لئے علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "فَسَاقِیِ" میں فرمایا ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ "یہاں سے ابن غرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کہا وہ اچھی طرح سمجھ آتا ہے کہ مسائل کا فہم دو قاعدوں کی معرفت کا محتاج ہے

(1) پہلا یہ کہ فقہاء کے اطلاقات غالبا قیود کے ساتھ مقید ہوتے ہیں جنہیں فہم مستقیم رکھنے والا اور اصول وفروع کا ممارس جانتا ہے اور فقہاء ان قیودات کو بیان کرنے سے اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ وہ فہم طالب کی صحت پر اعتماد کرتے ہیں۔

(2) اور دوسرا قاعدہ یہ کہ یہ فقہی مسائل، اجتہادیہ معقولۃ المعنی ہوتے ہیں ان میں حکم علی وجہ التام کوئی اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ بنیادی اصول جس پر وہ مسائل متفرع ہیں اچھی طرح نہ سمجھ لے، ورنہ وہ مسائل جن اصولوں پر مبنی ہیں انہیں جانے بغیر طالب پر مشتبہ ہو جاتے ہیں اور اس کا ذہن بنیادی اصول کی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے ان مسائل میں حیران ہو جاتا ہے،

جس نے ہمارے بیان کردہ ان قواعد کی پرواہ نہ کی انہیں چھوڑ دیا وہ غلطی و خطا میں گھر کر پریشان رہتا ہے۔(۱)

یونہی ایک اور بہت بنیادی وجہ ماہر فقیہ کی صحبت کی یہ بھی ہے کہ مقاصد شریعت اور احوال بلاد و اشخاص کا ادراک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اسے تفقہ کے لئے رکن اعظم فرمایا ہے اور بالکل بجا فرمایا ہے، اس لئے مقاصد شریعت کا صحیح مفہوم سمجھنا اور موقع محل کے مطابق ان کی رعایت کرتے ہوئے غلطی سے بچنے کے لئے ماہر فقہ کی رہنمائی کی اشد حاجت ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی اپنے ایک دوسرے رسالہ "نَشْرُ الْعُرْف" میں فرماتے ہیں:

"لَوْ اَنَّ الرَّجُلَ حَفِظَ جَمِيْعَ كُتُبِ اَصْحَابِنَا لَابُدَّ اَنْ يَتَلَمَّذَ لِلْفَتْوٰى حَتّٰى يَهْتَدِىَ اِلَيْهَا لِاَنَّ كَثِيْرًا مِنَ الْمَسَائِلِ يُجَابُ عَنْهُ عَلٰى عَادَاتِ النَّاسِ فِيْمَا لَايُخَالِفُ الشَّرِيْعَةَ انتهى "اگر کوئی شخص ہمارے اصحاب کی تمام کتابیں حفظ کرلے تب بھی فتوی دینے کے لئے اسے کسی ماہر کا تلمیذ بننا ضروری ہے تاکہ ان کتابوں کے فہم تک اس کی رسائی ہو اس لئے کہ کثیر مسائل میں لوگوں کی عادات کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔(2)

---

1 ------رسائل ابن عابدین، ج۱، ص۳۳۸۔

2 ------رسائل ابن عابدین، ج۲، ص۱۲۹۔

الغرض ان تین اصولوں کی کماحقہ پابندی فقہی مہارت کے حصول کے لئے اشد ضروری ہے، لہٰذا فارغ التحصیل ہونے والوں کو بھی مزید محنت وجد جہد کرتے ہوئے کتبِ فقہ و فتاویٰ کا مطالعہ کسی کی رہنمائی میں کرنا ضروری ہے پھر بہت مشق کے بعد تدریجاً علم فقہ حاصل ہوتا ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

"اِنَّ حُصُوْلَ عِلْمِ الْفِقْهِ لَایُمْکِنُ دَفْعَةً بَلْ شَیْأً فَشَیْأً" یعنی علم فقہ یکبارگی حاصل نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً تھوڑا تھوڑا حاصل ہوتا ہے۔[1]

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن کی بحر الرائق اور الاشباہ والنظائر دو مشہور و متداول کتابیں ہیں، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ایک مقام پر انہیں بحر فقہ فرمایا، اپنی کتاب الاشباہ و النظائر کے مقدمہ میں فقہی مہارت کے حصول کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اِنَّ هٰذَا الْفَنَّ لَایُدْرَکُ بِالتَّمَنِّیْ وَلَا یَنَالُ بِسَوْفَ وَلَعَلَّ وَلَوْاَنِّیْ وَلَا یَنَالُهُ اِلَّا مَنْ کَشَفَ عَنْ سَاعِدِ الْجِدِّ وَشَمَّرَ وَاعْتَزَلَ اَهْلَهُ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ وَخَاضَ الْبِحَارَ وَخَالَطَ الْعَجَاجَ یَدَابُ فِی التَّکْرَارِ وَالْمُطَالَعَةِ بُکْرَةً وَ اَصِیْلًا وَیَنْصِبُ نَفْسَهُ لِلتَّالِیْفِ وَالتَّحْرِیْرِ بَیَاتًا وَ مَقِیْلًا وَلَیْسَ لَهُ هِمَّةٌ اِلَّا مُعْضَلَةٌ یَحِلُّهَا اَوْ مُسْتَصْعَبَةٌ عِزَّةٌ عَلَی الْقَاصِرِیْنَ اِلَّا وَیَرْتَقِیْ اِلَیْهَا وَیَحِلُّهَا عَلٰی اَنْ ذٰلِکَ لَیْسَ مِنْ کَسْبِ الْعَبْدِ وَاِنَّمَا هُوَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ" (عبارت کا

---

[1] ۔۔۔۔۔مجمع الانہر، ج۱، ص۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

تفہیمی ترجمہ کچھ یوں ہے کہ) یہ فن محض تمنی کرنے یا یہ کہتے رہنے کہ عنقریب میں سیکھ لوں گا ماہر ہو جاؤں گا، شاید مجھے اس فن کو سیکھنے میں کامیابی مل جائے گی، اگر میں نے اس اس طرح پڑھ لیا اور ایسے مواقع مجھے مل گئے تو میں فقیہ بن جاؤں گا محض ان تمام باتوں پر اکتفا کرنے سے کچھ نہ ہوگا جب تک میدان عمل میں قدم نہ رکھا جائے اور وہ یوں کہ جس طرح کوئی شخص اہم و ضروری کام بڑی توجہ کے ساتھ کرتا ہے تو آستین چھڑا کر بہت انہماک سے کام کی ابتدا کرتا ہے اپنے اہل و عیال سے وقتی جدائی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے، اسی طرح کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف اسی علم و فن میں مہارت کے حصول کو اپنا مقصد وحید بنا کر سمجھ سمجھ کر پڑھے گا خوب محنت کرے گا وہی اسے سیکھ پائے گا، جس طرح سمندر میں سے مطلوبہ شے تلاش کرکے کچھ حاصل کرنے میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو سمندر کی تہہ میں غوطہ لگائے اور طوفانی لہروں سے مقابلہ کرے تو اسی طرح علم فقہ کے سمندر میں جو غوطہ زن ہوگا، صبح شام مسائل کی تکرار کرے گا اپنے نفس کو تالیف اور تحریر میں رات دن مشغول رکھے گا اور تھکائے گا، مشکل مسائل کو توجہ دے کر خوب غور و خوض کے بعد انہیں حل کرے گا تو کامیابی کی امید رکھ سکتا ہے اور ان تمام باتوں کے باوجود یہ سب بندے کے بس میں نہیں محض اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فضل عظیم ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے۔[1]

---

1 ---- غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، ج۱، ص۶۰۔

# فتوی نویسی کی مشق میں اغلاط سے بچنے کا طریقہ کار اور مفتی کے چند ضروری اوصاف

شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوی فیض رسول حصہ سوم کی تقریظ میں اس حوالہ سے فرماتے ہیں کہ: فتوٰی لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں:

(1)سوال کو کماحقہ سمجھنا۔

(2)سوال کے لب ولہجہ سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے؟ یہ سب سے اہم کام ہے جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظر نہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

(3)مفتی مخلص ہو۔

(4)انتہائی ذہین وفطین ہو۔

(5)زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص، وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

(6)متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کئے ہوئے ہو اور اس کے حافظے میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

(7)کسی سے مرعوب نہ ہو۔

(8)اتنا جری ہو کہ بلاخوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو، مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ لینت (نرمی)

(9) سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینانِ خاطر نہ ہو جائے حکم صادر نہ کرے۔

(10) جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کرلے۔

(11) متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ [1]

مزید فتوی نویسی کی مشق کا ابتدائی اور بے حد مفید طریقہ کار انتہائی جامع اور مختصر الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ

"مشق کے لئے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ طالب علم بہار شریعت کا بالترتیب وبالاستیعاب مطالعہ کرے، بہار شریعت میں جس کتاب کا حوالہ ہو اس کو بھی دیکھے پھر جو کتب فقہ میسر ہوں خصوصا رد المحتار، فتاوی عالمگیری، بحر الرائق، غنیۃ، بدائع الصنائع وغیرہ ان میں بھی اس مسئلہ کو دیکھ لے، اگر مختلف اقوال ہوں تو وہ خود سوچ کر کوشش کرے کہ وجہ ترجیح معلوم کرے ورنہ اپنے شیخ کی طرف رجوع کرے اس کو ٹالے نہیں، یہ فتوی نویسی کی خشت اول ہے اسی کے ساتھ فتاوی رضویہ میں بھی تلاش کرے کہ وہ مسئلہ ہے یا نہیں اور اس کو بغور پڑھے بلکہ بہار شریعت کے بعد سب سے پہلے فتاوی رضویہ ہی کو دیکھے یا مجدد اعظم اعلی حضرت قدس سرہ کے وہ رسائل جن میں یہ مسئلہ مذکور ہو اس کو دیکھے۔ [2]

---

1 ......فتاوی فیض الرسول، ج۳، ص۱۳،۱٤، شبیر برادرز لاہور.

2 ......معارف شارح بخاری، ص۸۷۱.

فقیر اس پر مزید کیا تبصرہ کر سکتا ہے کہ خود طفل مکتب ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ 2002 میں درس نظامی سے فراغت کے ساتھ ہی جب فتوی نویسی کی مشق کا ابتدائی مرحلہ شروع ہوا تھا تو اسی وقت شارح بخاری کی بیان کردہ یہ ہدایات پہلی بار نظر سے گزریں تھیں، اللہ تعالی کی توفیق و مدد و اعانت سے ان بصیرت افروز باتوں کی اہمیت دل و دماغ میں ایسی راسخ ہو گئی تھی کے قدم قدم پر انہیں مد نظر رکھتے ہوئے مشق کا موقع ملا اور اب تک موقع مل رہا ہے، نہ صرف یہ کہ مشق کرنے کا بلکہ کرانے کا بھی، اس لئے برملا کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ اصول پہاڑوں کے برابر سونے سے تولے جائیں تو اس پر غالب آجائیں، فقہی مہارت و بصیرت پیدا ہونے میں ایسی رہنمائی کا کام کرتے ہیں جس سے صرف وہی آگاہ ہوتا ہے جو انہیں مد نظر رکھ کر تجربات کرتا ہے۔

## فتویٰ نویسی کی مشق میں غلطی سے بچنے کا مختصر مگر اہم بیان

تفہم اور تفہیم میں غلطی واقع ہوتی ہے، تفہم میں غلطی ہو تو تفہیم ضرور غلط ہو گی اور تفہم میں غلطی سے بچت ہو بھی جائے تو تفہیم پھر بھی غلط ہو سکتی ہے پھر تفہم کے تین درجے ہیں،

(1) سوال کا تفہم۔

(2) جزئیات کا تفہم۔

(3) خارجی احوال کا تفہم جبکہ فتویٰ کی جامع مانع عبارت کا تعلق تفہیم سے ہے۔

یوں ہر لحاظ سے حکم شرعی اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس کی تفہیم کامل کا نام

فتویٰ ہے۔ ماہر مفتی کے ماتحت رہ کر مشق کرنے والوں کی پکڑ اور گرفت انہیں امورِ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امر سے متعلق ہوتی ہے۔ کبھی سوال درست طریقہ سے سمجھا نہیں جاتا ہے، اس لئے ابتداء غلطی کی وجہ سے بہت سا وقت اور محنت ضائع ہو جاتی ہے، جب استاذ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ غلطی کی نشاندہی کرتا ہے، سائل کی غرض اسے سمجھاتا ہے، ضروری بات جو معلوم کرنا رہ گئی ہو اسے معلوم کرنے کا کہتا ہے، یونہی سوال ادھورا نامکمل ہو تو مزید تفتیش کرنے اور اسے واضح مفید بنانے کا مشورہ دیتا ہے تو سوال بالکل نئی شکل میں سامنے آجاتا ہے اور اس کا جواب لکھنے کے لئے دوبارہ نئے سرے سے محنت کرنا ہوتی ہے، اخاذ طبیعت والا ذہین طالب علم ہو تو اس طرح کی ناکامیوں سے بھی بہت کچھ سیکھتا ہے اور اسے فکری تربیت کے لحاظ سے کافی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

**تنبیہ:** غور و خوض کے بعد اگر سائل کی غرض و مقصود یہ دکھائی دے کہ باطل کی دلیل کے طور پر اسے استعمال کرے گا تو اس قسم کے فسادی سائل کو جواب نہ دے، لکھ کر تو ہرگز نہ دے زبانی جواب دینے میں بھی احتیاط سے کام لے، مسئلہ شرعیہ اپنے جگہ مگر اس کی بنائی ہوئی صورت مسؤلہ کا جواب جب مفتی جزئیات پر غور و خوض کر کے دے گا تو اپنی صورت کا حکم جو مفتی نے بتایا ہے اسے ناجائز طور پر اور بے جا استعمال کر سکے گا اس لحاظ سے بھی ہشیاری ضروری ہے،

## ایک مثال

اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو، بیوی کے دوسرے شوہر سے بچے تھے کورٹ

میں کیس چل رہا ہے پہلے شوہر نے یعنی بچوں کے باپ نے یہ مقدمہ دائر کر دیا کہ بیوی نے بچے کے غیر محرم سے شادی کر لی ہے اس لئے پرورش کا حق مجھے ملنا چاہئے مگر دوسرا شوہر دارالافتاء آیا اور اس کا کہنا یہ تھا کہ بچوں کی والدہ سے شادی کرنے سے چونکہ میں بچوں کا محرم ہو گیا ہو اس لئے مجھے یہ فتویٰ دیں کے میں محرم ہوں تاکہ مقدمہ میں آپ کی جانب سے ملا ہوا فتویٰ اپنی حمایت میں پیش کر سکوں۔ اسے سمجھایا گیا کہ یہ وہ محرمیت نہیں ہے، نسبی لحاظ سے بچوں کا محرم ہونا ضروری ہے آپ سسرالی رشتہ کے لحاظ سے تو محرم بن رہے ہیں نسبی لحاظ سے اب بھی نامحرم ہے پھر انہیں یہی جواب اس طرح واضح لکھ کر دیا تاکہ وہ اپنے غلط موقف کی حمایت میں پیش نہ کر سکے۔

مشق کے ابتدائی مراحل میں کبھی سوال واضح ہو یا درست طریقہ سے تفتیش کر کے خوب سمجھ لیا جائے کہ سائل کی کیا غرض ہے؟ اور اسے کس بارے میں حکم شرعی مطلوب ہے؟ پھر اس بارے میں جواب لکھنا سمجھ آئے اس کا فیصلہ کر لیا جائے تو جب جزئیات فقہ میں نظر دوڑائی جاتی ہے تو تحقیق میں تساہل برتا جاتا ہے، کسی بھی کتاب سے معتمد ہو یا غیر معتمد، جزئیہ راجح مفتی بہ ہے یا نہیں، اس کا لحاظ رکھے بغیر جو سمجھ آئے اسے بطور دلیل نقل کر دیا جاتا ہے اور اس بات پر غور ہی نہیں کیا جاتا کہ کیا وہ دلیل بننے کے لائق ہے بھی یا نہیں؟ اور دلیل کا معتمد ہونا کس طور پر ثابت ہوتا ہے۔ رسم افتاء بھی کوئی شیء ہے، اختلافی ہونے کی صورت میں جزئیات کی تنقیح پھر تطبیق یا ترجیح ان مدارج کا بھی دھیان رکھنا ہوتا ہے، پھر

جس کتاب سے نقل کیا ہے، کیا وہ لائق اعتبار و قابل اعتماد ہے بھی یا نہیں؟ اگر معتمد کتاب اور فقیہ کا معتمد جزئیہ ہے تو کہیں اس سے زیادہ قابل اعتماد کتاب اور جزئیہ سے اس کے بر خلاف حکم تو ثابت نہیں ہوتا؟

الغرض مذکورہ مفید اور ضروری باتوں پر اصلاً دھیان نہ دینا اور میدان تحقیق میں اس طرح سستی کاہلی اور بے عقلی کا مظاہرہ کرنا سراسر نقصان کی بات ہے۔ ظاہر ہے اس طرح جزئیات کو سمجھنے سے جو مفہوم پیدا ہو گا وہ اکثر غلط ہی ہو گا، اس لئے دوران مشق لکھے گئے بہت سے جوابات غلط قرار پاتے ہیں کوئی تکے میں نکل بھی گیا تو مذکورہ باتوں کا دھیان رکھ کر مشق کرنے کا جو فائدہ مشق سے مطلوب و مقصود ہوتا ہے یعنی فقہی مزاج و فقاہت کا ملکہ پیدا ہونا، طالب علم اس سے اصلا محروم رہتا ہے۔

کبھی خارجی احوال یعنی مقاصد شریعت اور عرف بلاد و اشخاص وغیرہ کے مطابق نظر ثانی کئے بغیر اپنے زعم فاسد میں تحقیق دلپذیر ترتیب دے کر پیش کر دی جاتی ہے، فی نفسہ جزئیات کی رو سے اپنی جگہ جواب درست ہوتا ہے مگر لغیرہ حکم ان خارجی دلائل کی بناء پر مختلف ہونے کی وجہ سے فتویٰ غلط قرار پاتا ہے۔ اس بارے میں اتنا کہوں گا کہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کردہ اسباب ستہ کو قدرے ضروری تشریح کے ساتھ سمجھ لیا جائے تو خارجی احوال و دلائل کا مفہوم کافی واضح ہو جاتا ہے مگر کسی ماہر کے سمجھائے ہوئے طریقہ کے مطابق ورنہ انہیں اسباب کا غلط مفہوم اخذ کر کے عموم بلویٰ اور حرج کا نام لے کر بہت سے غلط فتوے اور احکام بھی

نااہل قسم کے لوگ صادر کرتے رہتے ہیں اور اپنے وجدان اور خواہش اور مجرد رائے کے بھروسہ پر قابل اعتماد جزئیات میں غیر ضروری تبدیلیوں کی بات کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ان اسباب ستہ کا فہم اور ان سے استفادہ و استدلال کرنا من وجہ اجتہاد کی ایک قسم ہے، اس کے لئے بہت لیاقت و تجربہ اور ماہرین سے مشاورت کی حاجت پڑتی ہے، بالخصوص جب ان اسباب میں سے کسی سبب کا تحقق یقینی نہ ہو مشکوک ہو اور قوی شبہات اس پر وارد ہوتے ہوں اور ماہرین کے مابین اس کا تحقق اور عمل دخل موضوع بحث بنا ہوا ہو، ان کے مابین اختلاف ہو تو مزید احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، آنکھ بند کرکے اور ان دلائل کے فقط نام کا سہارا لے کر حکم شرع میں تبدیلی کی بات ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

## نئے طلباء کا غلط شوق

افسوس اس وقت ہوتا ہے کہ جب بھیانک قسم کی غلط فہمیوں کی لپیٹ میں مبتلا بعض طلباء کے جلد بازی میں اس قسم کے مطالبوں کی خبر ملتی ہے کہ جدید مسائل حل کرنا سکھایا جائے، ہمیں محقق مسائل جدیدہ بننا ہے۔ ایک بار ایسے ہی بعض طلباء جو مختلف مدارس سے تعلق رکھتے تھے ان سے میں نے سوال کیا کہ محقق مسائل جدیدہ بننے کے لئے محقق مسائل قدیمہ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تو کچھ دیر خاموشی کے بعد کہ سمجھ گئے تھے میں کیا کہنا چاہتا ہوں ایک دو کی آواز آئی کہ محقق مسائل قدیمہ بننا پہلے ضروری ہے۔ اس پر میں نے مزید کہا کہ محقق مسائل قدیمہ بننا آسان ہے یا مشکل؟ اور اس کے لئے کتنی محنت اور کم از کم کتنی

مدت درکار ہے؟ تو سناٹا چھا گیا۔ لہٰذا اس بارے میں منصفانہ جائزہ لیتے ہوئے پہلے اس کی فکر کریں، پھر جس نے جدید مسائل کے حوالہ سے احتیاط کے ساتھ تحقیق کرنی ہوگی اللہ تعالی کی توفیق شامل حال ہوئی تو ضرور کرے گا کہ یہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے، مگر یہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ کی بناء پر ضرورتا جائز ہو جاتے ہیں کہ نااہل باوجود نااہلیت کے اس قاعدہ کا نعرہ مار کر نظریہ ضرورت کے تحت یہ کام شروع کر دے جیسا کہ آج کل بعض جدید پڑھے ہوئے اسے کا سہارا لے کر نام نہاد اجتہاد کرتے ہیں اور نت نئے فتنوں کو جنم دیتے ہیں اللہ تعالی سمجھ دے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تفہم کی ان تین صورتوں کے بعد تفہیم کی باری آتی ہے، اس لحاظ سے بعض مشق کرنے والوں کی اردو زبان ایسی ہوتی ہے جسے دیکھ کر غالب کو شرم بھی آئے کہ میری اردو کا حلیہ کیسا بگاڑا ہوا ہے اور ستیاناس کرنے والے پر غصہ بھی آئے۔ اگر، مگر، چونکہ، چنانچہ، ہاں، یاد رہے، لہٰذا، اس لئے، الحاصل یہ کہ، وغیرہ ضروری الفاظ استعمال کرنے کے صحیح طریقہ سے نابلد، دعوی دلیل اور ترتیب و تناسب سب کچھ غائب، خطاب یا غائب کے صیغہ کے ساتھ سائل کو مدنظر رکھتے ہوئے جزئیات اور خارجی دلائل کے مطابق جامع مانع عبارت بنانے سے قاصر رہتے ہیں، اس طرح کی مشق کرنے والے طلباء سے تھک ہار کر آخر کار خود استاد ہی کو حکم شرعی پر مشتمل عبارت اور تحقیق کا کوئی معقول اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے اور ان سے معذرت کرتے ہوئے انہیں کسی اور دینی شعبہ میں اہلیت کے مطابق خدمت کا مشورہ دینا پڑتا

ہے۔

یاد رہے کہ عبارت بنانے کے لئے درست زبان اور درست دماغ دونوں ضروری ہیں، محنت کرنے سے دونوں درست ہوسکتے ہیں، محنت نہ کی جائے تو خود بخود کچھ نہیں ہوتا، مہینے سال بنتے ہیں اور پھر سالوں گزر جاتے ہیں، مٹی کی طرح طالب علم اثر قبول کرنے سے محروم ہی رہتا ہے حالانکہ اس میدان کے شہسوار کا تو طبیعتاً اخاذ ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں بنتا۔

تنبیہ: ان مراحل میں زیادہ تر اٹکنے لٹکنے والے وہی ہوتے ہیں جنہیں اپنی دماغی تربیت اور فکر کی صحت کا کبھی خیال نہیں آتا، فطری عقل تجربات اور کسب سے بڑھتی ہے، مشق سے فقہی مہارت کے ساتھ ساتھ کسبی عقل بڑھنے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا اس لئے کہ فقہی مسائل اور کتابیں اعلی درجے کے ذہین فطین فقہائے کرام کی کاوشوں کا اعلیٰ شاہکار ہوتی ہیں، دانشمندوں کے ساتھ رہنے ان کے اقوال و افعال کا مشاہدہ کرنے سے چونکہ عقل پختہ ہوتی ہے اس لئے فقہاء کرام کے کلمات کی خدمت اور ان کی اغراض کی واقفیت سے بھی فکر صحیح اور عقل کامل ہوسکتی ہے۔

پھر فقہ کا لغوی معنیٰ فَهْمُ غَرَضِ الْمُتَكَلِّمِ مِنْ كَلَامِهٖ کا اصطلاحی فقہ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے اہم ہونا یہاں خوب سمجھ آجاتا ہے یوں کہ مفتی مجیب کے سامنے سائل بھی متکلم ہوتا ہے، اس کی غرض سمجھنا، فقہی جزئیات جو کتابوں میں موجود ہوتے ہیں ان کی شکل میں فقہاء کرام بھی متکلم ہوتے ہیں ان

کی بھی غرض جاننا اور قرآن وحدیث کی صورت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے ان کے مقاصد سمجھنا اور ان کی رعایت کرنا سب ہی کچھ فتوی دینے کے لئے ضروری ہوتے ہیں اور یہ سب امور فقہ کے لغوی معنی کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں۔ لغوی اور اصطلاحی معنی میں جو کچھ نہ کچھ مناسبت کی بات کی جاتی ہے اس کا جلوہ یہاں صاف دکھائی دیتا ہے، الغرض فقہ اور فتوی نویسی میں مہارت کے لئے عمیق فکر سے کام لیتے ہوئے نازک ودقیق مسائل پوری توانائی صرف کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو گوہر مقصود ضرور حاصل ہوتا ہے ورنہ یہ کوئی معمولی سطحی قسم کا فن نہیں ہے۔

علامہ خسرو حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے متن "غُرَرُ الْاَحْکَامْ" کی خود اپنی لکھی ہوئی شرح "دُرَرُ الْحُکَّامْ" کے آخری صفحہ پر بطور نصیحت فرماتے ہیں کہ

"اِنَّ سَائِرَ الْعُلُوْمِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی هٰذَا الْعِلْمِ كَنِسْبَةِ الْقَطْرَةِ اِلَی الْبَحْرِ الْمُتَلَاطِمِ الْاَمْوَاجِ لَا يَغُوْصُ عَلٰی فَرَائِدِهٖ كُلُّ غَوَّاصٍ قَوِيٍّ فَضْلًا عَنِ الزُّجَاجِ وَلِذَا تَرَی الْعُلَمَاءَ الْمُتَاخِرِيْنَ مَعَ كَمَالِهِمْ فِی الْفُنُوْنِ الْاٰلِيَةِ وَتَصْنِيْفِهِمْ فِيْهَا كُتُبًا مُعْتَبَرَةً لَمْ يَحُوْمُوْا حَوْلَ هٰذَا الْعِلْمِ وَلَمْ يُصَنِّفُوْا فِيْهِ وَلَوْ رِسَالَةً مُخْتَصِرَةً" ترجمہ: کہ تمام علوم کی نسبت علم فقہ کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تہہ در تہہ موجوں والے سمندر کی بنسبت ایک قطرہ، اس سمندر کی تہہ میں بیش قیمت بڑے موتیوں کو ہر طاقت ور غوطہ خور بھی نہیں چن سکتا تو شیشے کی طرح کمزور ونازک کس کھاتے میں ہے، لہٰذا تو علماء متاخرین کو دیکھتا ہے کہ فنون آلیہ میں باکمال ہوتے ہیں اور ان فنون میں ان کی

تصنیفات بھی ہوتی ہے مگر اس علم کے گرد چکر نہیں لگاتے اور اس فن میں کوئی تصنیف اگرچہ مختصر رسالہ ہی کیوں نہ ہو (احتیاطا) نہیں لکھتے۔ (۱)

## مسائل کے لحاظ سے مفتی ناقل کے فتاوی کی اقسام

جواب لکھنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، اپنی اہلیت پر غور کرکے اس میں دخل دینا چاہئے ورنہ استعداد نہ ہونے کے باوجود جہل مرکب میں مبتلا ہو کر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ بعض اوقات صرف شرمندگی نہیں اٹکل سے بغیر تحقیق کے مسئلہ بیان کرنے کا گناہ بھی لازم آتا ہے۔

(1)......متون، شروح، فتاوی میں سائل کے سوال کا بعینہ مکمل جواب ہو، معتبر و معتمد فقیہ کا ذکر کردہ راجح قول نقل کرنا فقط اس کا کام ہو، اس میں صرف اول یا آخر میں نقل جزئیات کے بعد خلاصہ لکھا جاتا ہے جو سائل کے مسئلہ کے مطابق ہوتا ہے، اس کے لئے مدقق ہونے کی ضرورت نہیں ہاں معتمد جزئیہ کی تلاش میں جتنی تحقیق ہوتی ہے اتنی ضروری ہے۔ یہ قدرے آسان کام ہے جو معاونین و متخصصین برسوں میں سیکھتے ہیں، وجہ مطالعہ کی کمی ہوتی ہے۔ اس قسم سے تعلق رکھنے والے مسائل کے جوابات کی مشق سے کثرت مراجعت کی عادت پڑتی ہے، کثیر فقہی جزئیات پر آگاہی ہوتی ہے، مشق کرنے والا ذہین واخاذ طبیعت کا مالک ہو تو تتبع کلمات فقہاء سے اس کے فقہی ذوق میں اضافہ ہوتا ہے جو اگلے درجہ کی مشق کے لئے اس کے کام آتا ہے، مشق کرنے والا ذہین و اخاذ طبیعت کا مالک نہ ہو تو اسی

---

(1)......درر و غرر، ص ۴۵۳۔

درجے میں محدود رہتا ہے اس کی معلومات میں تو اضافہ ہوتا ہے لیکن فہمی کمزوری کی بناء پر کسی بھی نئے مسئلہ کی تحقیق میں بالکلیہ استاد کا محتاج ہوتا ہے۔

(2)........متون، شروح، فتاوی سے استنباط و استخراج یعنی اصول فقہ، ورسم افتاء کی روشنی میں راجح مفتی بہ قول جو تحقیق، تنقیح اور اس کی ذیلی اقسام تطبیق یا ترجیح تمام کو مدنظر رکھ کر جائے۔ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ہم رتبہ دیگر محققین کی تحقیقات چاہے رسائل کی شکل میں ہوں یا تفصیلی فتاوی کی شکل میں، اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں، مگر جس میں ان تنقیحی مسائل کے حل کی استعداد نہ ہو اس پر لازم ہوتا ہے کہ کسی ماہر جس کے ماتحت وہ مشق کر رہا ہے اس کے مشورہ سے تحقیق کا انتخاب کرے اور اسی کے مطابق جواب لکھے، رسالہ یا تفصیلی فتوی کا خلاصہ قلمبند کرے یا اس محقق نے جو ضمناً تحقیق کی ہے اس سے استفادہ کرے تو بھی اسی کی جانب منسوب کر کے لکھے۔ پہلی قسم کی مشق کرنے والے سے زیادہ علم و فہم کی حاجت اس قسم کی مشق کے لئے درکار ہوتی ہے۔

(3)........سیدھا صاف متن، شرح یا فتاوی میں مذکور مسئلہ نہ ہو اور کسی مفتی مستند و معتمد کی تحقیق بھی اس بارے میں نہ ہو، یا ہو مگر اس کا علم نہ ہو تو اس تیسری قسم کے مسائل میں دخل اندازی صرف انہیں کا کام ہے جن میں ملکہ تحقیق پیدا ہو چکا ہو۔ اس کے لئے فقہ میں مہارت، جزئیات کا فہم، عرف و عادات ناس سے واقفیت، فی نفسہ اور لغیرہ دونوں لحاظ سے استخراج حکم پر قادر اور انتہائی تجربہ کار ہونا ضروری

ہے۔چاروں مدارج (۱) تحقیق (۲) تنقیح (۳) تطبیق (٤) ترجیح کی اہلیت رکھنے والا اور خوب تجربات کے بعد اپنی استعداد بڑھانے والا ہی اس میدان میں قدم رکھ سکتا ہے۔رسم افتاء میں اس قسم کے فتوے دینے والے کے لئے فرمایا گیا ہے "ایک نوع اجتہاد رکھتا ہو" ایسا کامل ان حوادث جدیدہ کا حل پیش کر سکتا ہے، پھر مشاورت و رہنمائی کی بسا اوقات اسے بھی حاجت محسوس ہوتی ہے۔

اس قسم کی تحقیق کے لئے قدرے تفصیل کی حاجت ہوتی ہے، معقول اعتراضات و اشکالات چاہے جزئیات و رسم افتاء کے اعتبار سے ہوں یا خارجی احوال عرف بلاد و اشخاص کی رو سے، ان کا جواب دینا ایک حد تک تحقیق کرنے والے کی ذمہ داری ہوتی ہے، ہاں جب ایسی تنقیح پوری کر چکا ہو جو شرعاً قابل القبول ہو اور اعتراض و اشکال کمزور و ضعیف ہو کہ محل غور کی صورت نہ بنے تو غیر ضروری اعتراض و اشکال کا جواب دینا اس کے ذمہ کسی طور پر نہیں ہوتا کمالا یخفی علی ماھر

نااہل جو اس قسم کے مسائل میں دخل دیتا ہے خفی یا جلی دلیل تو اس کے علم میں ہوتی نہیں، محض اپنی عقل میں آنے والی بات کو تحقیق سمجھتا ہے یا تو زبانی جواب دیتا ہے جب اسے تکلیف دی جائے، تو جب تک اس کی جعلسازی چل سکتی ہے چلتی رہتی ہے کوئی اہل گرفت و پکڑ کرے تو بات پالنے کے لئے ارباب افتاء کی تجہیل و تردید اور ان کی کردار کشی پر اتر آتا ہے تاکہ عوام کی نظر میں ان کی اہمیت کم ہو حقیقی علم چھپا رہے اور اس کا کھوٹا سکہ چلتا رہے۔اَشْکُوْا اِلَی اللّٰہِ حُزْنِیْ

اس تقسیم سے بھی مفہوم کافی واضح ہوگیا، مزید وضاحت کے لئے مشق کرنے والوں کی اقسام پیش خدمت ہیں، آپ بھی اپنا جائزہ لیں غور و فکر کر کے اپنی استعداد کا اندازہ کریں اور جتنی استعداد اپنے اندر پائیں حد میں رہتے ہوئے درست مشق کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

## فقہ سے تعلق رکھنے والوں کی اقسام اور کون فتوی دے سکتا ہے

شرح عقود میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے ایک تنبیہ درج ہے جس کا حاصل مفہوم تسہیلاً اضافہ کے ساتھ یہ ہے کہ فقہ سے تعلق رکھنے والے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں،

(1)عامی۔(2)طالب۔(3)ماہر

**ماہر** وہ جسے اتنی فقہی بصیرت اور مہارت حاصل ہو چکی ہو کہ اس کا فتوی دینا اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے جائز قرار پائے، مفتی ناقل ہونے کے لحاظ سے ملکہ تمیز اسے حاصل ہو گیا ہو ایسا شخص معتمد وراجح قول بطور فتوی نقل کر سکتا ہے۔

**عامی** جو فقہ کا طالب علم ہی نہ ہو۔ اس کا فتوی دینا بلا شبہ ناجائز و حرام ہے کہ اس کا کام فتوی دینا نہیں مفتی سے فتوی لینا ہے۔

**طالب** دھوکہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے اس عبارت میں خاص طور پر تنبیہ موجود ہے وہ یوں کہ طالب کی دو قسمیں ہیں

(1)بذات خود پڑھنے والا۔(2)معتبر مشائخ سے پڑھنے والا۔

دونوں کے لئے فتوی دینا جائز نہیں۔ اول کے لئے اس لئے کہ بذات خود

پڑھنے کے باوجود اس کے پڑھنے کا اعتبار نہیں، اس لئے وہ عامی جاہل کے مرتبہ میں ہے اور جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے کہ عامی کا فتوی دینا بلاشبہ ناجائز ہے۔اور طالب کی دوسری قسم سے تعلق رکھنے والا جو معتبر مشائخ سے ماہر استاذ سے پڑھنے والا ہے اس کا فتوی دینا اس لئے جائز نہیں کہ ابھی اسے ملکہ نفسانیہ حاصل نہیں ہوا ،راجح مرجوح اور صحیح وضعیف میں امتیاز رکھنے کی اہلیت اس میں پیدا نہیں ہوئی، اس لئے وہ بطور نقل فتوی دیتے ہوئے غلطی کرے گا، دوسرے نے غلطی کی ہوگی اس کی پیروی کر کے خود بھی غلطی میں مبتلا ہو جائے گا اور فتوی دینا چونکہ دینی امور میں سے ہے بغیر تحقیق کے اس میں دخل اندازی جائز نہیں، یونہی نااہل ہو تو اس کا مطلقاً دخل دینا ہی ناجائز لہذا اس طرح کے طالب علم کا بھی اس اہم دینی معاملہ میں لاپرواہی کے ساتھ کام کرنا کسی صورت جائز نہیں ہو سکتا۔ عبارت ملاحظہ ہو،

”(وَقَدْ) رَأَیْتُ فِیْ فَتَاوَی الْعَلَّامَةِ ابْنِ حَجَرٍ سُئِلَ فِیْ شَخْصٍ یَقْرَأُ وَیُطَالِعُ فِیْ الْکُتُبِ الْفِقْهِیَّةِ بِنَفْسِه وَلَمْ یَکُنْ لَهُ شَیْخٌ وَیُفْتِیْ وَیَعْتَمِدُ عَلٰی مُطَالَعَتِه فِی الْکُتُبِ فَهَلْ یَجُوْزُ لَهُ ذٰلِکَ اَمْ لَا؟ فَاَجَابَ بِقَوْلِه لَایَجُوْزُ لَهُ الْاِفْتَاءُ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوْهِ لِاَنَّهُ عَامِیٌّ جَاهِلٌ لَایَدْرِیْ مَایَقُوْلُ بَلِ الَّذِیْ یَأْخُذُ الْعِلْمَ عَنِ الْمَشَایِخِ الْمُعْتَبَرِیْنَ لَایَجُوْزُ لَهُ اَنْ یُفْتِیَ مِنْ کِتَابٍ وَلَا مِنْ کِتَابَیْنِ بَلْ قَالَ النَّوَوِیُّ رحمه اللّٰه تعالی وَلَا مِنْ عَشَرَةٍ فَاِنَّ الْعَشَرَةَ وَالْعِشْرِیْنَ قَدْ یَعْتَمِدُوْنَ کُلُّهُمْ عَلٰی مَقَالَةٍ ضَعِیْفَةٍ فِی الْمَذْهَبِ فَلَایَجُوْزُ تَقْلِیْدُهُمْ فِیْهَا بِخِلَافِ الْمَاهِرِ الَّذِیْ اَخَذَ الْعِلْمَ عَنْ اَهْلِه

وَصَارَتْ لَهُ فِيهِ مَلَكَةٌ نَفْسَانِيَّةٌ فَإِنَّهُ يُمَيِّزُ الصَّحِيحَ مِنْ غَيْرِهِ وَيَعْلَمُ الْمَسَائِلَ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا عَلَى الْوَجْهِ الْمُعْتَدِّ بِهِ فَهٰذَا هُوَ الَّذِي يُفْتِي النَّاسَ وَيَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ وَاسِطَةً بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَمَّا غَيْرُهُ فَيَلْزَمُهُ إِذَا تَسَوَّرَ هٰذَا الْمَنْصَبَ الشَّرِيفَ التَّعْزِيرُ الْبَلِيغُ وَالزَّجْرُ الشَّدِيدُ الزَّاجِرُ ذٰلِكَ لِأَمْثَالِهِ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ الْقَبِيحِ الَّذِي يُؤَدِّي إِلٰى مَفَاسِدَ لَا تُحْصٰى وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ، انتهى "میں نے علامہ ابن حجر کے فتاوی میں دیکھا، ان سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ خود ہی فقہی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کا کوئی استاد نہیں، وہ فتوی دیتا ہے اور اپنی کتابی مطالعہ پر اعتماد کرتا ہے تو کیا اس کے لئے فتوی دینا جائز ہے یا نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا: اس کے لئے کسی صورت فتوی دینا جائز نہیں کیونکہ وہ عامی جاہل ہے جو وہ کہتا ہے اسے جانتا ہی نہیں بلکہ وہ لوگ جنہوں نے معتبر مشائخ سے علم حاصل کیا ان کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ ایک یا دو کتابوں سے فتوی دے دیں، بلکہ امام نووی نے فرمایا: دس کتابوں سے بھی فتوی دینا جائز نہیں کیونکہ دس ہوں یا بیس بعض اوقات سبھی اس قول پر اعتماد کر لیتے ہیں جو مذہب میں ضعیف ہو لہذا اس میں ان کی تقلید کرنا جائز نہیں ہاں وہ ماہر جس نے کسی اہل سے علم حاصل کیا اور اسے اس میں ملکہ نفسانیہ حاصل ہو گیا کیونکہ وہ صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کر لیتا ہے اور مسائل اور ان کے متعلقات کو اچھے طریقے سے جانتا ہے تو یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کو فتوی دے سکتا ہے اور اس قابل ہے کہ وہ لوگوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بن سکے، اس کے علاوہ کوئی شخص اس عظیم منصب پر سوار ہو تو

اسے ٹھیک ٹھاک تعزیر کرنا اور سخت ڈانٹ ڈپٹ کرنا لازم ہے کیونکہ یہ قبیح کام بے شمار مفاسد کی طرف لے جاتا ہے۔[1]

موجودہ صورت حال میں ماہر نہ ہونے کے باوجود جو فتویٰ نویسی میں دخل دیتے ہیں طالب ہی کے زمرے میں آتے ہیں، یا تو بذات خود پڑھتے ہیں یا تھوڑا بہت کسی استاد سے رہنمائی لیتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا کار افتاء کے لئے خود کو مستقل سمجھنا اور مفتی بن کر بیٹھ جانا جائز نہیں، ہاں بطورِ مشق کسی مفتی کی نگرانی میں رہ کر لکھتے رہیں اور تصدیق سے جاری کریں جتنا اعتماد مفتی کو ہو گا اتنی اجازت دے گا، یوں بطور مشق کام کرنے میں حرج نہیں مگر خود کو مستقل سمجھنا خطرے کی گھنٹی ہے۔

افسوس تو اس معاملہ میں تساہل برتنے والوں مفتیوں، تخصص کرانے والوں، مفتی کی سند جاری کرنے والوں پر ہوتا ہے۔ ایک آدھ سال فقہ کے مبادیات و تاریخ پڑھنے والے انتہائی قلیل العلم والفہم کو ڈگری جاری کر دیتے ہیں۔ کیا اسی کا نام تعاون علی البر والتقوی ہے؟ ہرگز نہیں، یہ تو معاونت علی الاثم والعدوان کی صورت ہے، یہی وجہ ہے کہ نتیجہ العلم والفہم کی صورت میں صاف ستھرا مواد امت کو ملنے اور ان کی صحیح رہنمائی ہونے کے بجائے نتیجہ الجہل والکسل کی صورت میں نکل رہا ہے۔ مسند افتاء پر بیٹھے نااہل لوگ گمراہی اور بے عملی کا باعث بن رہے ہیں، بڑی وجہ یہی ہے کہ فتویٰ کا جو تقدس اور رعب اور عزت و مقام پہلے

---

1 ۔۔۔۔۔۔رسائل ابن عابدین، ج۱، ص۱۵۔

دلوں میں تھا اب اٹھتا جا رہا ہے۔

## فقہی مہارت کے لئے فتاوی رضویہ کی اہمیت وافادیت اور صرف ایک فتوی بطور مثال

فتاوی رضویہ کا ایک فتوی اس مختصر رسالہ کی زینت اور طلباء کے لئے بطور مثال منتخب کیا ہے ورنہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ فتاوی رضویہ وجد الممتار اور دیگر کتب امام تمام کی تمام ہی سینے سے لگانے، سر پر اٹھانے اور سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ان میں دین کی تفہیم و تشریح اور مسائل کی تحقیق و تنقیح کا وہ بہتا دریا ہے جس سے رہتی دنیا تک علم کے پیاسے سیر اب ہوتے رہیں گے اور اس کے ذریعہ سے اپنے عقائد و اعمال کو ہر قسم کی گمراہی و خرابی سے بچاتے رہیں گے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بلند رتبہ تحقیقات سے استفادہ کرنا اپنے اندر فقہی مہارت پیدا کرنے کا محفوظ و محتاط بنیادی راستہ ہے۔ اولاً تین جلیل القدر علمائے ربانیین جو خود مقتداؤں کے مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے تاثرات ملاحظہ کیجئے پھر وہ اہم فتوی بطور مثال نقل کیا جائے گا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوی کی عظمت کے بارے میں صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر کسی صاحب کو دلائل کا شوق ہو تو فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کریں کہ اس میں ہر مسئلہ کی ایسی تحقیق کی گئی ہے جس کی نظیر آج دنیا میں موجود نہیں اور اس میں ہزار ہا ایسے مسائل ملیں گے جس سے علماء کے کان بھی آشنا نہیں۔[1]

---

1 ۔۔۔۔۔بہار شریعت، ج۱، ص۲۸۰، مکتبۃ المدینہ کراچی.

صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگاہ میں آپ کی تحقیقات کی قدر و منزلت کتنی زیادہ تھی کہ آپ کے ایک شاندار تحقیقی فتوی پر تصدیق کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کچھ یوں فرماتے ہیں: فی الواقع حضرت مجدد صاحب دامت برکاتھم کی ذات والا صفات حضرت حق کی ایک شان رحمت ہے، اور بے شمار برکات کا مجموعہ، کتنے اندھوں کی انکھوں کھول دیں اور ہزار ہا نابیناؤں کو بینا بنادیا، اللہ تعالیٰ ایسے فاضل جلیل کو مدت ہائے دراز تک بایں فیض رسانی سلامت رکھے، آمین بحرمت المرسلین صلوٰۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلامہ، بیشک اس مسئلہ کے ایضاح میں تحقیق کے خزانے کھول دیئے ہیں اور نادان مفتی کی غلطی کو خوب آشکار کر کے سمجھا دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سیدھی راہ چلائے۔ آمین![1]

ملک المدرسین استاذ العلماء والمحققین عطا محمد چشتی گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں: بظاہر سرکار بریلی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اگرچہ شرف تلمذ نہیں مل سکا، تاہم میرے اکثر اساتذہ محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر خیر محبت کے طور پر کیا کرتے تھے اور خود جب مجھے کتابیں پڑھنے کا شعور آیا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں نے میرے مطالعہ میں وسعت پیدا کی، آپ کا جیسے جیسے علم پختہ ہوتا جائے گا اعلیٰ حضرت کی کتابیں پڑھتے جایئے آپ ان سے عقیدت رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے،

---

1 ------فتاوی الرضویہ، ج ۱۱، ص ۵۰۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

کوئی عنوان ایسا نہیں جس پر امام اہلسنت کے قلم نے کوئی پہلو تشنہ چھوڑا ہو، اس لئے میں اپنے اساتذہ کی طرح ہی سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بطور حجت پیش کرتا ہوں۔[1]

مزید تَوْضِیحُ الْبَیَانُ لِخَزَائِنِ الْعِرْفَانُ کے مقدمہ میں ملک المدرسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اسے الم نشرح کرکے چھوڑا، ان تمام تصانیف کا سرتاج اردو ترجمہ قرآن پاک (کنز الایمان) ہے جس کی نظیر نہیں ہے اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہو سکتا ہے جس کو اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر پوری نظر ہو اس ترجمہ مبارکہ میں محققین مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے اور جن اشکالات اور ان کے حل کو مفسرین نے صفحات میں جاکر بمشکل بیان فرمایا ہے اس محسن اہلسنت نے اس کے ترجمہ کو چند الفاظ میں بیان کر دیا۔[2]

**فائدہ:** ملک المدرسین کے تاثرات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پختہ علم والے امام اہلسنت کی فقاہت و امامت سے صحیح طور پر روشناس ہوتے ہیں اور عقیدت رکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جبکہ آج کل کے دو چار لفظ پڑھنے والے بعض ناعاقبت اندیش دیانت و انصاف کا خون کرتے ہوئے امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقام کو عوام کی نگاہوں میں گرانے اور ان کی عقیدت سے روگردانی کا سبق دیتے

---

1 ......ذکر عطا فی حیات استاذ العلماء، ص۴۲۹.

2 ......توضیح البیان، ص۸۱، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور.

ہیں اور آپ کے فتاوی کی اہمیت گھٹانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، جہاں اپنے ہم خیال ایک دو لوگ پاتے ہیں فوراً توہین و تنقیص کے مکروہ و مذموم کام میں مشغول ہو جاتے ہیں، ایسے نام کے مولویوں کی علمی ناپختگی پر ملک المدرسین نے مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے، جب عام عالم کا مرتبہ عوام کے حق میں باپ سے زیادہ ہوتا ہے تو جو اہل علم حضرات کے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہو، جلیل القدر امام ہو اس کی عظمت و اہمیت گھٹانا، عوام کے دلوں کو اس سے دور رکھنا یا ان کی محبت و عقیدت سے خالی کرنے کی کوشش میں لگے رہنا کس قدر ناپاک فعل ہو گا اس کا اندازہ خود ہی لگا لیجئے کسی مسئلہ میں علمی اور سنجیدہ اختلاف کسی ماہر سنی فقیہ کو ہو تو اپنی جگہ مگر علمی و فکری اعتبار سے جن کی حیثیت امام کے سامنے بونوں جیسی ہے ان کا بلا وجہ اچھل اچھل کر امام کے مقابل آنا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اکابرین کی آراء اور عمل کی روشنی میں فقیر کی بھی یہی رائے ہے جو مسلکی درد و کڑھن کی وجہ سے آپ کے گوش گزار کر دی ہے۔

## ایک اصول کی تنقیح و تشریح اور اس پر مبنی امام اہلسنت کا تحقیقی فتوی

سوال: امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ جو چیز زمین کی جنس سے نہ ہو ان پر تیمم جائز ہونے کے لئے ان پر کتنا غبار ہونا چاہئے؟ کیا یہ کافی ہے کہ ان پر سے ہاتھ اٹھے تو غبار لے کر نہ اٹھے بلکہ ان چیزوں پر صرف اتنا غبار رہا ہو کہ ہوا میں کچھ دکھائی دیتا ہو، یا یہ ضروری ہے کہ ہاتھ میں غبار چپک جائے؟ مختصراً

جواب: امام اسیجابی جو ائمۂ ترجیح و تصحیح سے ہیں انہوں نے مختصر طحاوی کی

شرح میں فرمایا کہ ”ایسی چیز پر غبار کا ہونا اور اس پر ہاتھ پھیرنے سے غبار کا اثر ظاہر ہونا“ اس سے تیمم جائز ہونے کے لئے ضروری ہے۔

فِی الدُّرِ الْمُخْتَارِ تَبْعًا لِمَا فِی الْبَحْرِ الرَّائِقِ وَقَیَّدَہُ الْاِسْبِیْجَابِیُّ بِاَنْ یَسْتَبِیْنَ اَثَرُ التُّرَابِ عَلَیْہِ بِمَدِّ الْیَدِ عَلَیْہِ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَبِنْ لَمْ یَجُزْ وَکَذَا کُلُّ مَایَجُوْزُ التَّیَمُّمُ عَلَیْہِ کَحِنْطَۃٍ وَجَوْخَۃٍ فَلْیُحْفَظْ

یہ مسئلہ اگرچہ عام متون اور اکثر شروح میں بغیر قید کے مطلقاً ذکر ہوا ہے (یوں کہ معدنیات وغیرہ پر غبار وتراب ہو تو تیمم جائز ہے) لیکن ایک ایسی زائد قید جو کوئی معتمد امام افادہ فرمائیں اسے قبول کرنا ضروری ہے جب تک کہ اس کے خلاف دیگر ائمہ کے کلمات میں تصریح اور اس پر ترجیح نہ ہو خاص طور سے جب احتیاط کا مقام ہو تو امام معتمد کی بتائی ہوئی ایسی قید کا قبول کرنا اور ضروری ہے سُوئی کے ناکہ کے برابر پیشاب کے چھینٹے پڑ جانے کے مسئلہ میں علماء نے اس کی تصریح کی ہے جسے اطمینانِ قلب نہ ہو حاشیۂ شامی کا مطالعہ کرے۔

## ایک اشکال اور اس کا جواب

ایسی قید قبول کر لینے پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شروح کو متون پر تقدم حاصل ہے اور متون کے اطلاق کو چھوڑ کر شروح کی تقیید کو لیا جائے تو یہ تقدیم متون کے منافی ہو گا اس لئے کہ منافات کی بات تو اس وقت ہو گی جب دونوں میں تضاد ہو۔ یہاں تضاد نہیں بلکہ بیان مراد ہے۔

اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ تخصیص دفع ہے رفع نہیں (یعنی بعض افراد سے

متعلق حکم خاص کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس میں داخل نہ تھے ان کو الگ کر دیا یہ مطلب نہیں کہ جن کے لئے حکم ثابت تھا ان سے حکم اٹھا دیا) اور اس سلسلہ میں تو علماء کی صراحت موجود ہے۔ جیسا کہ شرح لباب، ردالمحتار اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ مشائخ مذہب کا منصب ہے کہ وہ قیدوں کو بیان کریں (کوئی بات بظاہر مطلق نظر آرہی ہے حالانکہ وہ کسی قید سے مقید ہے تو ایسی قیدوں کی توضیح مشائخ مذہب ہی کا کام ہے) اس لئے یہ تقیید، متون کی مخالفت نہیں، وضاحت ہے۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ علّامہ محقق زین بن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قید کو قبول کرتے ہوئے بحر الرائق میں جو خہ وغیرہ کا حکم اس سے استخراج کیا ہے کیونکہ ان چیزوں میں یہ شرط کم ہی پائی جاتی ہے۔ صاحبِ در مختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی بھی حکم کی بنیاد اسی تفصیل پر رکھتے ہیں۔ بحر الرائق، نہر الفائق کے مصنّفین اور مدقق علائی صاحبِ در مختار جیسے محققین کرام نے اس قید کو مستحسن وپسندیدہ قرار دیا اور سبھی نے اسے یاد رکھنے کی تاکید کی اور محشیان اعلام نے اسے برقرار رکھا۔ (ت)

ان ساری تائیدات کے پیشِ نظر یہ قید زیورِ قبول سے آراستہ وپیراستہ ہے، جیسا کہ ان حضرات کے کلمات کی مراجعت اور ان کی عبارتوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے اور حق کا علم اس کے پاس ہے جو علوم عطا فرمانے والا ہے اور ہر رازِ نہاں کو جاننے والا ہے۔

## حاشیہ میں ایک اعتراض کا جواب

اگر تو اعتراض کرے کہ تخصیص تو پہلے کلام سے مقارن ہوتی ہے جبکہ مؤخّر

ہو تو وہ ناسخ ہے (تو اس طرح کی تقییدات مؤخرہ سے تخصیص کیونکر درست ہو گی)

**اقول:** یہ قاعدہ، حکم کو ثابت کرنے والے کلام کے بارے میں ہے جو صرف شارع علیہ السلام کا کلام ہے، اس میں جب مطلق وارد ہو گا تو حکم بھی مطلق ہو گا، اور اگر تخصیص وارد ہو تو وہ اطلاق کو رَد کرکے اس کے لئے ناسخ ہو گی۔ لیکن علمائے کرام تو صرف راوی ہوتے ہیں اور تحقیق سے یہ بات معلوم ہے کہ علماءِ کرام قید والے مقام میں قید کی بجائے اطلاق سے کام لیتے ہیں پس تخصیص ان کے کلام میں اختصار کی وضاحت اور ان کے روایت کردہ حکم کی تکمیل ہوتی ہے، لہٰذا یہاں تخصیص مقارن ہی تصور ہو گی۔ (۱)

## امام اہلسنت کے اس فتوی سے حاصل ہونے والے فوائد

(1) امام معتمد قید لگائیں تو قبول کی جائے گی ہر کسی کی نہیں بشرطیکہ انہیں کی مثل دیگر فقہاء سے اس کے برخلاف حکم کی صراحت نہ ہو، یا اس کے خلاف کی تصریح تو ہو مگر اس امام کی قید پر اسے ترجیح نہ ہو بالخصوص جب کہ اس قید پر عمل کرنے میں احتیاط ہو۔ یہ باتیں خاص رسم افتاء کے ضابطے کی وضاحت میں بیان ہوئیں مزید یہ کہ

(2) نصوص کی تخصیص و تقیید میں اور فقہاء کرام کی عبارات کی تخصیص و تقیید میں فرق ہے دونوں کو ایک طرح کا سمجھنا غلط فہمی ہے۔

---

(1) ۔۔۔۔۔فتاوی الرضویہ، ج۳، ص۲۰۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور مختصراً۔

(3) متون کے اطلاقات کے مقابلے میں معتمد شارحین کی تقییدات کو اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِہٖ کے تحت مطلقاً رد نہیں کیا جا سکتا۔ معتمد شارح کی قید کا اعتبار کرنا دیگر ضروری بیان کردہ شرائط کے تحقق کی صورت میں ضروری ہوتا ہے، اس لئے کہ تحقیق سے یہ بات معلوم ہے کہ علمائے کرام قید والے مقام میں قید کی بجائے اطلاق سے کام لیتے ہیں اوپر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ کے حوالہ سے تفصیلی عبارت میں بھی یہی بات واضح طور پر بیان ہوئی ہے، ہاں جہاں کہیں قید کا اعتبار کرنا درست نہ ہو تو اطلاق ہی پر مدار رہے گا۔

امید ہے کہ اس ایک فتوی کی جھلک سے سمجھدار طالب علم پر امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطالعہ کی وسعت اور فکر کی گہرائی و گیرائی اور امورِ شرعیہ میں کمالِ احتیاط کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے گا، مزید فتاوی رضویہ کے مطالعہ کی برکت سے بہت سو کا بھلا ہوا ہے اور بھلا ہوتا رہے گا کہ اس نازک و دقیق فن میں اس کی حیثیت بلاشبہ ماہر معلم کی سی ہے اور اس میں رسم افتاء جو غیر مجتہد مفتی کے فتاوی کا میزان و معیار ہے، اس کی الجھنوں کا حل اور قابل قدر تشریحات بھی ہیں جو بذات خود فتاوی رضویہ کے معتمد و معتبر ہونے کی بنیادی وجہ ہیں۔

## ایک اہم سوال اور اس کا جواب

سوال: تخصص فی الفقہ کے طلباء اور مشق کے ابتدائی مرحلہ میں جو کسی کے ماتحت مشق کر رہے ہوں، وہ فقہاء کے مراتب اور ہر ایک کا دائرہ کار بخوبی سمجھ کر اس کی کاوشوں سے صحیح طور پر مستفیض ہوتے ہوئے فتویٰ نویسی کی مشق کرنے

کے معاملہ کو اس قدر محتاط اور پر مشقت دیکھ کر گھبرا نہ جائیں کہیں ان کی ہمت کمزور نہ پڑ جائے؟

**جواب:** یہ تو بنیادی ضروری امور کی نشاندہی اجمالا کی گئی ہے جس کی ہمت انہیں سن کر کمزور پڑ جائے وہ ضرور کم ہمت ہے۔ اس مرض کا علاج یوں نہیں ہوتا کہ اسے ضروری مطالعہ کرنے کا ہی نہ کہا جائے اور ایک دو کتابیں پڑھ کر مفتی بننے کی راہ دکھادی جائے، بلکہ اس کی ہمت بڑھائی جائے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی صحیح رہنمائی کے لئے دین میں تفقہ اور فقہ میں تبحر رکھنے والوں کی کثرت موجودہ حالات میں اہم ترین دینی ضرورت ہے۔ ایسے افراد خود بخود بغیر محنت کئے نہ آئیں گے، ہر ایک فوری فائدہ کا حصول مد نظر رکھتے ہوئے کم پڑھنے پر اکتفاء کرلے گا تو مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کر کے امت کی صحیح رہنمائی کرنے والے افراد کیسے تیار ہوں گے؟

یوں ان کی بروقت ذہن سازی کی جائے، انہیں شوق دلایا جائے اور کچھ کرتا ہوا پائیں تو ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جائے کہ ہمارے بزرگوں نے بے سروسامانی کے باوجود مشکل حالات میں جب آج کی طرح سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں تفسیر، شروح حدیث، فقہ و تصوف کے مسائل کی تحقیق و تنقیح کر کے کئی کئی جلدوں پر مشتمل کتابیں لکھیں اور ہم انہیں پڑھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں، سمجھ کر حل کرنے کا مصمم ارادہ بھی نہ کریں اور خواب و خیال میں ان نفوس قدسیہ کے مراتب کا اپنے آپ کو حقدار سمجھیں، کیا یہ دیانت و انصاف کا خون کرنے کے مترادف نہیں؟

علامہ ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ٹھٹھہ سندھ کے مشہور و معروف محقق، فقیہ اور محدث گزرے ہیں جن کی کتب کی تعداد تین سو تک ہے۔ ان کے شوق علم کے بارے میں علامہ محمد طفیل نقشبندی قادری مد ظلہ العالی کی کتاب "تُحْفَةُ الزَّائِرِیْنَ" میں ان کا ایک واقعہ درج ہے فرماتے ہیں کہ

"ان کے دار العلوم میں ایک مہمان عرب شریف سے تشریف لائے جن کے پاس علامہ امین الشہیر بہ ابن عابدین شامی کی کتاب "رَدُّ الْمُحْتَارْ" تھی جسے حضرت مخدوم نے بے حد پسند کیا اور چند دنوں کے لئے اس مہمان عرب سے عاریۃً لینا چاہی مگر اس مہمان عرب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ صرف آج کی رات تمہیں اجازت ہے اپنے پاس رکھو اور استفادہ کرو۔ چنانچہ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ کتاب لے کر اپنے طلباء کو حکم دیا کہ آج رات ہی میں پوری کتاب نقل کر کے ویسی ہی جلد بندی کرنا ہے صبح یہ کتاب جو بطور امانت ہے واپس کرنی ہے۔ طلباء کرام کتاب کی نقل میں شروع ہو گئے، صبح تک کتاب نقل کر کے جلد بھی ویسی ہی کر دی گئی۔ جب اس مہمان عرب نے صبح واپسی کے وقت کتاب مانگی تو ایک کے بجائے دو کتابیں حضرت مخدوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پیش کر دیں (جس پر وہ) عرب مہمان حیران رہ گئے۔ (1)

اس واقعے سے حضرت علامہ ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شوق علم کے ساتھ ساتھ آپ کے شاگردوں کی رغبت اور استاد کی فرمانبرداری اور ادب کا بھی

---

(1) ۔۔۔۔۔ تحفۃ الزائرین، ص ۲۸۲۔

پتا چلتا ہے۔

اسی طرح امام اہلسنت مجدد دین وملت احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شوقِ علم اور حافظہ اور ٹھوس علمی بنیادوں پر دین متین کی خدمت عالَم پر آشکار ہے۔ مشہور ہے کہ "عُقُوْدُ الدَّرِيَّة فِيْ تَنْقِيْحِ الْفَتَاوٰى الْحَامِدِيَّة" کی دو ضخیم جلدیں محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عاریتاً لی کہ بریلی جاکر پڑھوں گا، چونکہ انہیں کے یہاں بطورِ مہمان تشریف فرماتھے اور وقت کم رہ گیا تھا، اسی دن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو واپس بریلی جانا تھا، اس لئے ساتھ لے جانے کا ارادہ تھا وہیں مطالعہ کرنے کا وقت نہیں تھا، مگر کسی کام سے ایک دن مزید رکنا پڑا۔ دن میں تو موقع نہ ملا ایک رات جو میسر آئی اسی ایک رات میں اور کچھ وقت جو صبح کا ملا اس میں پوری دو جلدیں اچھی طرح مطالعہ فرمالیں۔ دوسرے دن دوپہر کو جب واپس جانے کی تیاری شروع ہوئی تو کسی سے کہا کہ محدث سورتی کو واپس دے آؤ۔ جب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے تو ساتھ لے جانی تھیں آپ واپس کیوں فرمارہے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ

"قصد تو بریلی ساتھ لے جانے کا تھا لیکن جب کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کے وقت پوری کتاب دیکھ لی، اب لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔"

حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا؟ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی

عبارت کی ضرورت ہوگی فتاویٰ میں لکھ دونگا اور مضمون توان شاء اللہ عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا۔"(1)

الغرض معاملہ نازک اور شدید محنت کا متقاضی ہے لیکن اس کے برعکس طلباء میں سنجیدگی کا عنصر کم دکھائی دیتا ہے، وہ نازک مزاجی اور سہل پسندی کا کچھ ایسا شکار ہو چکے ہیں کہ بلند ہمتی مسلسل محنت اور دقتوں اور مشقتوں پر صبر واستقامت سے کام لینے کی بجائے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے شارٹ کٹ مارنے کے چکر میں رہتے ہیں۔

علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ایک مقام پر بڑے درد کے ساتھ فرماتے ہیں:

"افسوس کہ آج کل طلباء آرام پسند ہیں چاہتے ہیں کہ علم ایک نوالہ ہو جسے بارونق کمرے میں پلنگ پر بجلی کے پنکھے کے نیچے آرام کی حالت میں استاذ صاحب نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر ہمارے منہ میں ڈال دے اور پھر ہم زمانہ کے امام بن جائیں اور بس۔"(2)

لہٰذا اس سہل پسندی اور سطحیت پسندی کی عادت کو چھوڑ کر حصول علم کے بنیادی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے خوب محنت کی جائے تو بہت سے ضروری دینی علوم میں اور بالخصوص اس فقہ و افتاء کے فن میں بھی مہارت پیدا ہو سکتی ہے۔

**اللہ کرے دل میں اتر جائے مری بات**

---

(1)......حیات اعلی حضرت، ج۱، ص۲۱۳، مفہوما و ملخصاً.

(2)......التوضیح الکامل، ص۲، مکتبہ اویسیہ بہاولپور.